



# حیاتِ محمدؐ و العالم

تذکرہ سلطنت سلطان سید محمدؒ و اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ

افادات عالیہ

سید المفسرین رئیس المحدثین محمدؒ و الملک  
ابوالمہادی سید محمدؒ شیرازی جیلانی محدث اعظم رحمۃ اللہ علیہ

مرتب و حاشیہ نگار  
سید حسن مثنیٰ انور (ایم۔ اے علیگ)

تقسیم کار

محمد بن بکدلو

۵۲۳ - وحید کتب و کراچی میٹا اعلیٰ جامعہ مجددی

ناشر

شیخ الاسلام اکیندھی جی

مغل پورہ، حیدر آباد

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

# غوث العالم حیات

(تارک سلطنت سلطان سید مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی رضی اللہ عنہ)

افادات عالیہ

سید المفسرین رئیس المحدثین مخدوم المملت

ابوالمحامد سید محمد اشرفی جیلانی محدث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مرتب و حاشیہ نگار

سید حسن مثنیٰ انور ایم اے (علیگ)

۵۲۳، وحید کتب مارکیٹ  
نیپال، جامع مسجد دہلی-۶



مَحَمَّدٌ رَافِقُ

## ﴿.....فہرست مضامیر.....﴾

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
﴿۱﴾	ارمغان تشکر	۴
﴿۲﴾	سخنہائے گفتنی	۵
﴿۳﴾	اشرف	۱۰
﴿۴﴾	اوحد الدین	۱۵
﴿۵﴾	ترک سلطنت	۱۹
﴿۶﴾	سفر ارادت اور تنہائی	۲۲
﴿۷﴾	ہندوستان میں ورود اور تکمیل ارادت	۲۵
﴿۸﴾	جہانگیر	۳۷
﴿۹﴾	سفر ہند، تلاش خانقاہ و مزار ظفر آباد	۴۱
﴿۱۰﴾	جوئیور	۴۹
﴿۱۱﴾	روح آباد آستانہ کچھوچھ مقدسہ	۵۶
﴿۱۲﴾	غوث العالم	۶۷
﴿۱۳﴾	نتائج	۷۱
﴿۱۴﴾	حضرت غوث العالم کی سو سالہ حیات مقدسہ پر ایک اجمالی نظر	۷۲
﴿۱۵﴾	تصانیف جلیلہ	۷۴
﴿۱۶﴾	جلیل القدر خلفاء کا ایک مختصر تعارف	۷۸



## ارمغان تشکر

ہزار ہا نیاز مند یوں اور لاکھوں آستانہ بوسیوں کے بعد نہایت ادب و احترام کے ساتھ اس عقیدہ سے کہ یہی اور صرف یہی میرا سرمایہ آخرت ہے، یہ چند سطور لکھتا ہوں اور ناز کرتا ہوں کہ آج میرا قلم صفحہ قرطاس پر وجد کر رہا ہے، میرا کاغذ کسی پاک قدم کا فرش راہ بنا ہوا ہے اور میرا کلام کسی کے ذکر مقدس سے زینت حاصل کر رہا ہے۔  
میں اپنی زندگی کے ان ساعات پر نازاں ہوں اور نہایت عجز و بندگی کے ساتھ اپنے رب کی کروڑ ہا حمد بجالاتا ہوں اور اس سے امید قبولیت رکھتا ہوں۔

فقیر ابوالمحامد سید محمد غفرلہ اشرفی جیلانی

ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۲ھ مطابق جنوری ۱۹۲۳ء



## سخنمائے گفتنی

پیش نظر کتاب حضرت غوث العالم محبوب یزدانی مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ النورانی کی مختصر حیات طیبہ پر مشتمل ہے اس کا اصل مآخذ تو لطائف اشرفی ہے لیکن ترتیب مضامین کے وقت مراۃ الاسرار، اخبار الاخبار اور بحر ذخار کے علاوہ دیگر مستند کتب تاریخ و سیر سے بھی غیر معمولی استفادہ کیا گیا ہے۔ تحقیقی نقطہ نظر سے ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ حضرت مخدوم علیہ الرحمۃ کی حیات مقدسہ سے متعلق ان سارے نایاب احوال و کوائف کو جمع کر دیا ہے جنہیں حضرت مخدوم الملت حضور محدث اعظم ہند قدس سرہ العزیز نے تو اتر کے ساتھ اپنے خاندانی بزرگوں سے حاصل کئے۔ یہی وہ نمایاں وصف ہے جو حیات غوث العالم کو منفرد اور ممتاز بناتا ہے۔ اس کتاب کی دوسری بڑی خوبی اس کا دل نشین اسلوب بیان ہے جس نے تاریخ کی خشک اور بے مزہ کیفیت کو محو کر کے واقعہ نگاری کی ایک تازہ اور شاداب فضا ہموار کی جس میں حسن بھی ہے اور اثر آفرینی بھی..... تیسرا بنیادی وصف یہ ہے کہ حضور محدث اعظم ہند علیہ السلام نے حضرت مخدوم علیہ السلام کی حیات مبارکہ کے بعض روشن پہلوؤں کو اپنے عہد کے عام حالات پر منطبق کرنے کی کامیاب سعی فرمائی ہے اور ایسے نتائج کا استخراج کیا ہے جو تعمیر سیرت انسانی کے لئے بڑی حد تک مدد و معاون ہو سکتے ہیں۔

حیات غوث العالم کا مطالعہ کرتے وقت یہ حقیقت ذہن میں ضرور رکھنی چاہئے کہ حضرت مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ آٹھویں صدی ہجری کے متبر عالم اور مشرب صوفیہ کے عظیم مبلغ تھے۔ دوسرے لفظوں میں حضرت مخدوم علیہ السلام کی ذات گرامی شریعت اور طریقت کے امتزاج سے ایک ایسا سرچشمہ نور بن گئی تھی جس سے

ہندوستان اور بلاد شرقیہ کے اکثر ممالک تقریباً ایک صدی تک روشنی پاتے رہے۔ حضرت کے تصرفات روحانی سے خلق اللہ ہنوز مستفیض ہو رہی ہے اور فیوض نامتناہی کا یہ سلسلہ ابدی رنگ و آہنگ لئے ہوئے ہے، لیکن ان تمام حقائق کے باوجود اس عظیم المرتبت شخصیت کا کتب تاریخ میں کوئی تفصیلی ذکر نہیں ملتا اور لطائف اشرفی کے پیش کردہ تفصیلی واقعات کی تائید و تصدیق نہ تو تاریخ ایران سے ہوتی ہے اور نہ تاریخ ہندوستان سے۔ اسی عدم ذکر کو برہان و حجت قرار دیتے ہوئے بعض حضرات اپنی جدت پسندی کے زعم میں لطائف اشرفی ہی کو شک کی نگاہوں سے دیکھنے لگے ہیں۔ شاید انھیں اپنے طرز فکر کی زیادہ داد ملے اگر وہ حضرت مخدوم عبد اللہ کے مبارک وجود ہی کو یہ کہہ کر مشکوک و مشتبہ مان لیں کہ تاریخ کی کتابوں سے اس کی نشاندہی نہیں ہوتی! ان حضرات کو کون باور کرائے کہ تذکروں کو بے وزن اور حقیر خیال کرنا تاریخی شعور رکھنے کی دلیل نہیں اس لئے کہ تذکروں ہی کے طعن سے تاریخ کا ظہور ہوتا ہے۔ اب جہاں تک تذکروں کی موجودگی میں تاریخ کے صفحات کے سادہ رہنے کا سوال ہے تو میں یہ عرض کروں گا کہ ایک حضرت مخدوم عبد اللہ ہی کا کیا ذکر ہے بلکہ طبقہ صوفیہ کے اکثر اکابرین کے ساتھ یہی سلوک روا رکھا گیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ان بزرگوں کے تمام ضروری احوال مختلف ملفوظات اور تذکروں میں محفوظ ہیں اور ان کا غائر مطالعہ کرنے کے بعد حیات و سیرت کی ایک مکمل اور مبسوط تاریخ مرتب کی جاسکتی ہے لیکن ہزار ہزار صفحات پر مشتمل ملفوظات اور تذکروں کے مطالعے کا ناخوشگوار فریضہ کیسے ادا کیا جائے اور اس ”جوئے شیر“ کو لانے کے لئے ”یتیشہ زنی“ کون کرے؟ یہی وہ سوال ہے جس کا واضح جواب ارباب تاریخ آج تک نہ دے سکے۔ استاذ گرامی پروفیسر خلیق احمد نظامی، شعبہ تاریخ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے

بڑے پتے کی بات کہی ہے کہ ”تاریخ کے طلباء نے شاہی خاندانوں کے عروج و زوال کی داستانوں میں اپنے آپ کو کچھ اس طرح گم کر دیا ہے کہ ان کے نزدیک تاریخ صرف دربار اور میدان جنگ سے ہی عبارت ہو کر رہ گئی ہے۔“

غالباً اسی بے توجہی اور تن آسانی کا یہ نتیجہ ہے کہ طبقہ صوفیہ ہر عہد میں ہدف ملامت بنارہا اور معترضین اپنی بے خبری یا ذہنی آزادی کی بناء پر جس طرح جی چاہا انگشت نمائی کرتے رہے۔ کبھی تصوف کا رشتہ قرآن و حدیث سے توڑ کر یونانی فلسفہ، گیتا، ویدانت، زروشتیوں کے توہمات اور بودھ مت کے پراسرار خیالات سے جوڑ دیا گیا، کبھی صوفیہ کو علم سے بے بہرہ بتایا گیا، ان پر رہبانیت پسندی کی مہر بھی ثبت کر دی گئی اور انھیں ملت کے قوائے علمی کو مضحل بنانے کا ذمہ دار بھی قرار دیا گیا۔ اس پریشان خیالی اور انتشار ذہنی کے طوفان کو چند مستشرقین یورپ سے مزید توانائی ملی جنھوں نے اسلام دشمنی کے پردے میں تصوف اور صوفیاء اسلام کی دل کھول کر تنقیص کی تھی اور پچھلے کباروں کی طرح بعض نام نہاد مسلمان بھی ان کے ہمنوا بن گئے تھے۔

لیکن اب یہ طوفان اپنی قوت کھو چکا ہے۔ اب سائنسی قدروں نے انسانی فکر و نظر کو کچھ اس طرح متغیر اور انقلاب آفریں بنا دیا ہے کہ علم و فن کا ہر شعبہ نظر ثانی کا محتاج دکھائی دیتا ہے۔ آج کا انسان زندگی اور کائنات کی ہر حقیقت کو دریافت کرنے کے لئے ایک مثبت نظریے کا متجسس ہے۔ چنانچہ اب وہ تصوف کو ایک ایسے اخلاقی نظام حیات اور نظام کائنات کی ایک مکمل توجہ سے تعبیر کرنے لگا ہے جس میں مادی آسودگی بھی ہے اور روحانی ارتقاء بھی..... پروفیسر ایچ۔ آر۔ گب کے یہ الفاظ قابل غور ہیں۔

”تاریخ اسلام میں بارہا ایسے مواقع آئے ہیں کہ اسلام کے کلچر کا شدت

سے مقابلہ کیا گیا ہے لیکن بایں ہمہ وہ مغلوب نہ ہو سکا۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ تصوف یا صوفیہ کا اندازِ فکر فوراً اس کی مدد کو آ جاتا تھا اور اس کو اتنی قوت اور توانائی بخش دیتا تھا کہ کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔

اسی بات کو پروفیسر ہئی نے یوں کہا ہے: ”سیاسی اسلام کے تاریک ترین لمحات میں مذہبی اسلام نے بعض نہایت شاندار کامیاہیاں حاصل کیں۔“

ہالینڈ کے ایک ذی علم (لو کے گارد: Lokkegaard) نے شاندار

کامیابیوں کے ساتھ بعض کی قید کو گوارہ نہ کیا۔ ان کی تحقیق یہ ہے کہ ”اسلام کا سیاسی زوال تو بارہا ہوا لیکن ”روحانی اسلام“ میں ترقی کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہا۔

ان مثالوں سے علمی اور سنجیدہ تحقیق و جستجو کے بدلے ہوئے معروضی زاویوں کا اندازہ ہوتا ہے اور اس بات کی بھی تائید ہوتی ہے کہ تصوف یا صوفیاء اسلام پر معترضین کے سارے اعتراضات ”خرافات القدماء“ سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ ان مخالفین پر علماء اسلام نے بھی خصوصی توجہ دی ہے، اہل صوفیہ کے اقوال و کردار کی روشنی میں ان کے ہر سوال کو بے بنیاد اور شخصی عصبیت کا حامل بتایا ہے۔ اس تفصیل میں جانے کا یہاں موقع نہیں ہے، ہمارے لئے یہ جان لینا کافی ہے کہ اسی معروضی نقطہ نظر نے اس ”حجابِ اکبر“ کو اٹھا دیا جس کا سہارا لے کر مخالفین نے بیسویں صدی عیسوی کے نصف حصے تک تصوف کو باز پچھلے اطفال بنائے رکھا۔

خدا کا شکر ہے کہ اب ماضی کے اس سرمایہ علمی (تصوف) کی دوبارہ چھان بین اور صحیح قدر و قیمت متعین کرنے کا مناسب وقت آ گیا ہے اس لئے کہ موجودہ انسان مادی ناہمواریوں سے نبرد آزما ہے، طبقاتی کشمکش میں اسیر ہے، رنگ و نسل کے امتیازات میں گھرا ہوا ہے، عظمت و جلالت کی آزمائش میں مبتلا ہے، مختلف عقائد و نظریات کے طغیان میں دم توڑ رہا ہے، فلسفیانہ موشگافیوں سے بیزار ہو چکا ہے، وہ حقیقت کو حقیقت



پسندانہ نگاہوں سے دیکھنا چاہتا ہے اور فطرت کا مطالعہ فطری طور پر کرنا کا آرزو مند ہے۔ لہذا اس ہوش ربا عہد میں مذہبی اسلام یا روحانی اسلام یا تصوف کی مستند اور معتبر تاریخ کو مدون کرنے کی ضرورت و اہمیت کا شدید احساس عام لوگوں کے دلوں میں بھی پایا جا رہا ہے تاکہ بھٹکی ہوئی انسانیت کو صلاح و فلاح کا پیغام ملے اور انسان کی نا آسودگیوں کا اصل مداوا ہو سکے، اسی سلسلے کی ایک مختصر اور ابتدائی کوشش حیاتِ غوث العالم کے نام سے نذرِ ناظرین ہے۔

حیاتِ غوث العالم کی ترتیب اور اس پر حاشیہ نگاری کی حاجت اس لئے پیش آئی کہ متن کی معنوی خوبیاں نمایاں ہوں، مفید معلومات کا اضافہ کیا جائے اور مختلف تذکروں کے تقابلی مطالعے سے ایک نتیجہ خیز بات کہی جاسکے جس میں تحقیق اور تنقید دونوں کا چولی دامن کا ساتھ رہے۔ یہ اسلوب فکر نہ صرف یہ کہ کتاب کی افادیت کو بڑھاتا ہے بلکہ اکیڈمی کے رجحانات اور طریقہء کار کی نشاندہی بھی کرتا ہے۔

امید کی جاتی ہے کہ مشائخِ چشت کی سیرت و سوانح سے دلچسپی رکھنے والے بالعموم اور وابستگانِ سلسلہ اشرفیہ بالخصوص اس کتاب کا خاطر خواہ خیر مقدم کریں گے اور اپنے ربِ قدیر سے ملتی ہوں کہ

ضمیرِ لالہ میں روشن چراغِ آرزو کر دے

چمن کے دڑے دڑے کو شہیدِ جستجو کر دے

”کاشانہ“

کچھو چھا شریف، ضلع فیض آباد

سید حسن ثنیٰ انور

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## اشرف

ساتویں صدی کی بات ہے کہ فارس میں ایک عظیم الشان اور قدیم اسلامی سلطنت تھی۔ انتظامی خوبیوں اور امن و امان میں یہ حکومت ضرب المثل تھی اس سلطنت کو مذہبی برتری اس میں حاصل تھی کہ حکومت کا تاجدار خاندانِ سادات سے تھا قرب و جوار بلکہ دور دور کے بادشاہانِ اسلام اس حکومت کی عزت کرتے تھے اور یہاں کے بادشاہ کو سلطان کہا کرتے تھے اس کے دار الحکومت کا نام شہر سمنان (۱) تھا شیراز یہاں سے قریب

۱۔ یہ قدیم شہر آج بھی ایک قصبہ کی صورت میں حدود سلطنت ایران میں ہے اور بحر کسپین (Caspian Sea) سے کم و بیش ۱۰۰ میل، اصفہان سے ۲۰۰ میل، اور کاشان سے ۱۵۰ میل کی دوری پر ہے، طول البلد ۵۳ اور عرض البلد ۳۵ کا درمیانی حصہ اس تاریخی شہادت کی نشاندہی کرتا ہے۔ سلطان سید تاج الدین بہلول بن سلطان سید محمود نور بخشی نے تیسری صدی ہجری کے اواخر میں سمنان کو اپنا دار الخلافہ بنایا اور شاہانِ خاندانِ سامانیہ سے حاصل کی ہوئی سلطنت کی از سر نو تنظیم کی۔ مملکت سمنان میں عراق اور خراسان کے علاقے بھی شامل تھے اور سیاسی برتری کے ساتھ اسے دینی وقار بھی حاصل تھا۔ آج سمنان کی وہ شوکت تو نہیں ہے لیکن شاندار محلوں کے کھنڈرات اور عظیم الشان عمارتوں کے بلبے اس کے پر جلال ماضی کے آئینہ دار ہیں۔ مجھے خوب یاد ہے کہ گرامی قدر پروفیسر ڈاکٹر نذیر احمد صاحب صدر شعبہ فارسی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے اپنے سفر ایران کی واپسی پر سمنان کے آثارِ قدیمہ کے بارے میں بعض مفید باتیں راقم الحروف کی بتائی تھیں اور جناب مولوی سبط حسن صاحب انچارج شعبہ مخطوطات، آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی نے بھی اپنی عینی شہادت کی بناء پر ان باتوں کی تائید و تصدیق کی تھی لہذا سمنان کے بارے میں جو کچھ عرض کیا گیا وہ انھیں دو حضرات کے مشاہدات و اقوال پر مبنی ہے۔)

تھا شاہی نوازشوں کی بدولت سمنان کی گلی گلی اہل کمال سے بھری ہوئی تھی آج تک علماء امام علاء الدولہ سمنانی (۱) کا نام بڑی تعظیم سے لیتے ہیں کہتے ہیں کہ سلطان کے عدل و انصاف سے تمام رعایا اس قدر خوش حال تھی کہ لوگ ہجرت کر کے یہاں آ کر بستے جاتے اور گویہفت اقلیم کے دلوں پر یہاں کا سلطان حکومت کرتا تھا دار السلطنت میں خاص شاہی قصر عجمی مذاق کے موافق بنا تھا اور عمارت کی سر بلند چوٹیاں آسمان سے باتیں کرتی تھیں۔ استنبولی قالین تو فرشِ راہ تھا اور عیش و راحت کا شاہی انتظام تمام حکومتوں سے بڑھ کر تھا۔ خاندان سادات کو کوئی چھ پشت (۲) حکومت کرتے گزرا تھا اور اب

۱۔ ابوالکارم رکن الدین علاء الدولہ احمد بن محمد البیہاکی السمنانی علیہ الرحمہ (المتوفی ۷۳۱ھ) کی ذات گرامی آٹھویں صدی ہجری کے علماء و مشائخ میں ایک امتیازی حیثیت رکھتی ہے۔ وہ ملوک سمنان سے تعلق لیتی رکھتے تھے اور پندرہ سال کی عمر کے بعد وہ سلطان وقت (سید ابراہیم علیہ الرحمہ) کی خدمت پر مامور ہوئے۔ ایک جنگ میں جب کہ سلطان اپنے دشمنوں سے نبرد آزما تھا، شیخ پر یکا یک جذبہ فقر و رویشی طاری ہوا اور پھر سب کچھ چھوڑ کر دو ۶۸ھ میں حضرت شیخ نور الدین عبدالرحمن کسرتی علیہ الرحمہ کی صحبت میں بغداد پہنچے۔ ۶۸۹ھ میں رشد و ہدایت کی اجازت پائی۔ ۷۲۰ھ سے ۱۶ سال کی مدت تک خانقاہ سکاکیہ سمنان کو مرکز رشد و ہدایت بنایا۔ انہوں نے ۷۷۷ سال کی عمر پائی اور قطب زمان عماد الدین عبدالوہاب کے خطیرہ میں مدفون ہوئے۔ (لطائف اشرفی ج ۱ ص ۸۷ و برکات چشتیہ ص ۲۹۹-۳۰۰ و نجات الانس ص ۳۹۲-۳۹۳) شیخ علاء الدولہ سمنانی علیہ الرحمہ سلسلہ نقشبندیہ کے زبردست مبلغ تھے۔ انھیں شیخ اکبر حضرت محی الدین ابن عربی علیہ الرحمہ کے نظریہ وحدۃ الوجود سے اتفاق نہ تھا اور اس سلسلے میں انہوں نے شیخ عبدالرزاق الکاشانی علیہ الرحمہ جو اپنے وقت کے قابل قدر عالم اور خصوصاً الحکم کے شارح بھی تھے، سے مراسلت بھی کی مگر شیخ کی تشکیلی رفع نہ ہو سکی۔ وہ اپنے علم اور زہد و تقویٰ کی بدولت جمہور مشائخ کے نزدیک ہمیشہ محترم و معزز رہے۔ شیخ کے کمال تقویٰ سے متعلق تفصیلی حالات نجات الانس میں ملاحظہ ہوں۔

۲۔ یعنی سلطان ابراہیم بن سلطان سید عماد الدین نور بخشی بن سلطان سید نظام الدین محمد علی شیر بن سلطان سید ظہیر الدین محمد بن سلطان سید تاج الدین بہلول بن سلطان سید محمود نور بخشی رحمۃ اللہ علیہم۔ (صحائف اشرفی، ورق ۱۱۲)

سلطان ابراہیم عبد (۱) کا زمانہ تھا۔

سلطان ابراہیم بادشاہ ہی تھے ادنیٰ ادنیٰ اشاروں پر لوگ پسینہ کی جگہ خون بہا دینے کو تیار تھے۔ گھر میں سلطان بیگم کی خدمت میں ہزاروں خواص رات دن حاضر رہتی تھیں اور اس گھر میں دنیا کے کسی غم کے لئے کوئی دروازہ نہیں بنایا گیا تھا مگر پھر بھی سلطان اور سلطان بیگم کا چہرہ غمگین و متفکر ہی رہا کرتا تھا اور کسی تدبیر سے پوری خوشی کی نشانیاں چہرہ سے ظاہر نہیں ہوتی تھیں وزراء و امراء نے ہزاروں تدبیریں کیں عظیم الشان جشن کی محفلیں کیں مگر غم ہے کہ دل سے نہیں نکلتا اور یہ غم اولاد کا تھا۔

سیدوں کا گھر انا تھا غم برداشت کرنا موروثی تھا کبھی زبان پر ایک لفظ بھی ایسا نہ

۱۔..... سلطان سید ابراہیم (التونی ۲۳ ھ) حضرت مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سنانی علیہ الرحمۃ کے والد بزرگوار تھے۔ ان کا سلسلہ نسب یہ ہے:

سلطان سید ابراہیم بن سلطان سید عماد الدین نور بخشی بن سلطان سید نظام الدین محمد علی شیر بن سلطان سید ظہیر الدین محمد بن سلطان سید تاج الدین بہلول بن سلطان سید محمود نور بخشی بن سید مہدی بن سید اکمل الدین بن سید جمال الدین بن سید حسین نسیف بن سید ابو حمزہ احمد بن ابو موسیٰ علی بن سید اسماعیل ثانی بن سید ابو الحسن محمد بن سید اسماعیل عارج بن حضرت امام جعفر صادق بن حضرت امام محمد باقر بن حضرت امام زین العابدین بن حضرت امام حسین بن حضرت امیر المومنین امام الحسن بن اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین (صحائف اشرفی ورق ۱۱۲)

سلطان ابراہیم حد درجہ کریم النفس اور انسانیت نواز تھے۔ ان کا تقویٰ اور اخلاص بالعلم کا جذبہ شہر سمنان میں ضرب المثل تھا۔ دین سے ان کی غیر معمولی وابستگی کی یہ ایک تابناک مثال ہے کہ ان کے عہد میں ہزاروں تشنگان علم و فن منزل مقصود پر پہنچے اور علماء و مشائخ کے لئے انہوں نے ہمیشہ اپنی عقیدت کا دامن پھیلائے رکھا۔ سلطان ابراہیم نے مدارس اسلامیہ کی سرپرستی کے ساتھ خانقاہوں کی تعمیر و ترقی میں بھی نمایاں حصہ لیا، چنانچہ سمنان کی مشہور خانقاہ سکاکیہ کی دوبارہ تعمیر و توسیع سلطان ابراہیم ہی کے دست کرم سے ہوئی جس کو شیخ علاء الدولہ سنانی علیہ (۱) نے ایک عرصے تک اپنے اوراد و وظائف اور رشد و ہدایت سے رونق بخشی۔ خانقاہ مذکورہ پر سو ۱۰۰ دینار روزانہ خرچ ہوتے

تھے۔ (لطائف اشرفی ج ۱، ص ۸۷ و ج ۲، ص ۹۰-۹۱)



آیا کہ لوگوں کو اس غم کا علم ہونے پاتا ہاں سلطان بیگم کبھی کبھی رات کو اپنے بزرگوں کی طرف متوجہ ہوتیں اور اللہ تعالیٰ سے عرض کرتیں کہ اے میرے رب تو نے اتنا دے رکھا ہے جس کا شکر گزار ہونا مجھ ضعیفہ سے دشوار ہے اب میرا منہ نہیں ہے کہ تجھ سے کچھ سے کچھ مانگوں۔ اور نہ اس قابل ہوں کہ جو کچھ مانگوں وہ ضرور پا جاؤں مگر اے داتا تو ہی بتا کہ سلطان کے بعد تیرے بندوں کا والی کون ہوگا اور کون انصاف فرما کر باپ دادا کے نام کو روشن کرے گا۔ تیری عطا کی ہوئی دو تین بچیاں ہیں اور کوئی لڑکا گھر کا چراغ نہیں ہے اُس پر کوئی آٹھ سال ہوئے کہ مایوسی ہی مایوسی نظر آتی ہے مجھے معلوم ہوتا ہے کہ میں اس عرضی میں کوئی سوال پیش کرتی ہوں میرے مالک میں نے غلطی کی میں تجھ سے مانگنے کا منہ نہیں رکھتی اور اقرار کرتی ہوں کہ تیری رضا سے راضی ہوں۔

سلطان بیگم ایک دن بعد نماز عشاء یہی کہتے کہتے رونے لگیں اور اس قدر روئیں کہ ہچکیاں بندھ گئیں اور مصلے ہی پر سو گئیں خواب دیکھا کہ حضرت شیخ احمد یسوی جبہ (رحمہ اللہ) جو اس گھرانے کے بزرگوں میں سے تھے آئے اور فرمایا کہ اے بیٹی تو کیوں بے

..... حضرت خواجہ احمد یسوی جبہ (رحمہ اللہ) (المتوفی ۱۱۶۶ھ، ۵۶۲ھ) ترکستان کے سلسلہ خواجگان کے مشہور بزرگ تھے اور ان کا شمار مقتدائے کاملین میں تھا۔ صاحب تاریخ مشائخ چشت نے لکھا ہے کہ وہ اتالیسوی کے نام سے مشہور تھے۔ اتاترکی زبان میں باپ کو کہتے ہیں جیسا کہ رشحات میں مذکور ہے ”اتارا کہ بہ ترکی پدراست بمشائخ بزرگ اطلاق کنند“ (تاریخ مشائخ چشت ۲۱۶ بر حاشیہ) اور ترکستان کے مقام یسی کی نسبت سے یسوی کہلائے۔ حضرت خواجہ احمد یسوی جبہ (رحمہ اللہ)، حضرت خواجہ یوسف ہمدانی جبہ (رحمہ اللہ) (المتوفی ۵۳۵ھ) کے مرید و خلیفہ تھے جن کے بارے میں نجات الانس کے الفاظ یہ ہیں کہ ”اِمَامٌ عَالِمٌ وَعَارِفٌ رَبَّانِیٌّ صَاحِبُ الْاُخُوَالِ وَالْمَوَاهِبِ الْحَزِیْلَةِ وَالْكَرَامَاتِ وَالْمَقَامَاتِ الْحَبِیْلَةِ“ حضرت خواجہ یوسف ہمدانی جبہ (رحمہ اللہ) کے چار خلیل القدر خلفاء تھے، ان میں سے حضرت خواجہ احمد یسوی جبہ (رحمہ اللہ) تبلیغ و اشاعت دین کی خاطر ترکستان پہنچے اور اپنے سلسلہ ارادت و بیعت کو خوب پھیلا یا۔ (نجات الانس ص ۳۳۷-۳۳۹، خزینۃ الاصفیاء ص ۵۳۱-۵۳۲)

قرار ہوتی ہے مبارک ہو کہ تیرے وطن سے آفتابِ ولایت طلوع ہونے والا ہے۔ صبح اٹھ کر سلطان بیگم نے سلطان سے سارا واقعہ خواب کا بیان کیا اور قصر شاہی میں خوشیاں منائی جانے لگیں۔ اسی زمانے میں اتفاق سے ایک مسلم الثبوت بزرگ ابراہیم مجذوب عبد (رحمہ اللہ) ایک صبح کو قصر شاہی کے محسرا میں نظر آئے۔ سلطان اور سلطان بیگم دونوں کو حیرت ہوئی کہ یہ کس راستے سے آئے ہیں پہرہ داروں نے کہا کہ دروازہ سے کوئی اندر نہیں گیا ہے۔ سلطان نے ابراہیم مجذوب عبد (رحمہ اللہ) کو صدر مقام پر بٹھایا اور قدم بوس ہوئے ابراہیم مجذوب عبد (رحمہ اللہ) نے فرمایا کہ اے سلطان تو بیٹا چاہتا ہے اور اس غم میں پریشان ہے ایک ہزار اشرفی دے تو اشرف عبد (رحمہ اللہ) (۲) کو لے۔ سلطان نے فوراً اشرفیاں حاضر کیں ابراہیم مجذوب عبد (رحمہ اللہ) نے فرمایا کہ قیمتی چیز تم کو مفت دی جاتی ہے۔ جاؤ تمہارے لڑکا پیدا ہو گا یہ کہہ کر وہ بزرگ اٹھے اور آنکھوں سے غائب ہو گئے۔

۱۔ شیخ ابراہیم مجذوب علیہ السلام، سلطان سید ابراہیم علیہ السلام کے معاصر تھے اور سلطان کو ان سے بے حد عقیدت تھی۔ وہ ہمہ وقت عالم جذب میں رہا کرتے تھے۔ نجات الانس میں حضرت شیخ نجیب الدین علی برغش علیہ السلام کا یہ قول ”دیوانہ عجب بود“ شیخ ابراہیم مجذوب علیہ السلام کی گراں قدر شخصیت کا ایک عنوان جلی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ شیخ مجذوب علیہ السلام چند روز تو کچھ نہیں کھاتے تھے اور پھر وقت آنے پر سون ایک ہی نشست میں کھا جاتے تھے۔ اسی طرح کی اور بھی روایتیں ہیں جو ان کے خوارق عادات اور کرامات عجیبہ کی غماز ہیں۔

(نجات الانس ص ۴۲۲-۴۲۵ ولطائف اشرفی ج ۱ ص ۲۵۸، ۲۵۹)

۲..... یعنی حضرت غوث العالم محبوب یزدانی مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سستانی قدس سرہ النورانی بن سلطان سید ابراہیم حبیبہ (الرحمہ) بہارِ نعمتِ ج اول ص ۱۰۱ پر لفظ اشرفی کے تلفظ اور مفہوم کو یوں ظاہر کیا گیا ہے کہ ”اشرفی بسکون شین مجھے فتح راء مہملہ درست..... ایں منسوب است باشرَف کہ پادشاہی بود، سکے زر بوزن دہ ماشہ بزبان اورواج یافت۔“ اب اگر اس مفہوم کو ذہن میں رکھ کر حضرت شیخ ابراہیم مجذوب حبیبہ (الرحمہ کی گفتگو سے مطابقت کی جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ اللہ والوں کے سینے اسرار و معارف کے آئینے ہوا کرتے ہیں!

خدا کی شان کہ اُس گھر میں سلطان بیگم کے ایک نہایت مبارک و مسعود و خوش اقبال اور خوبصورت لڑکا پیدا ہوا اُس بچے کا نام حسب ہدایت حضرت احمد یسوی علیہ السلام، اشرف رکھا گیا۔ ٹھیک اُسی دن حضرت ابراہیم مجذوب علیہ السلام بھی آئے اور کہا کہ اے سلطان آج ہماری بیعت ختم ہوگئی اور ہزار اشرفی کے بدلے تم کو قیمتی مال مل گیا۔ اس مسرت آگس موقع پر شاہی مہمان خانہ عرصہ دراز تک آباد کر دیا گیا۔ ساری رعایا کے گھر گھر گویا عید ہوگئی اور چراغاں سے سمنان میں مہینوں رات دن کافرق جاتا رہا، یہ کوئی ۸۰۸ھ کا واقعہ ہے۔

### اوحد الدین

پیارے اشرف علیہ السلام، ماں باپ کی آنکھوں کے تارے اشرف علیہ السلام، کی پرورش آغوش شاہی میں ہونے لگی۔ جب ماشاء اللہ سے چلنے پھرنے اور منہ سے بولنے کے دن آئے تو بڑے بڑے علماء اور ائمہ (۱) تعلیم کے لئے مقرر کئے گئے۔ بلند اقبال اشرف علیہ السلام نے سات برس کی عمر میں سارا قرآن شریف ساتوں قرأت سے یاد کر لیا

۱۔ مثلاً حضرت شیخ رکن الدین علاء الدولہ سمنانی علیہ السلام (ان کا ذکر حاشیہ پر آچکا ہے)، حضرت شیخ عبدالرزاق کا شی اکاشانی علیہ السلام جو اپنے وقت کے تبحر عالم تھے اور جن کے بارے میں خود حضرت مخدوم علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے کہ ”اس فقیر حضرت شیخ عبدالرزاق کا شی رسید و اکثر از فوائد مستفاد گشت“ (لطائف اشرفی ج ۱ ص ۹۹)، حضرت امام عبداللہ یافعی علیہ السلام ”مقتدائے اولیاء عصر و پیشوا و بلغاء و ہر خود بودند و عالم معلوم ظاہری و باطنی بہ تخصیص بیان تواریخ اولیاء گویا آیتے بود کہ در شان ایشان نازل شدہ..... و انحصار بانواع لطائف معارف آمیز و ظرایف کواشف انگیز یافتہ و مدتے در ملازمت شریف و بجا دمت لطیف ہضافت“۔ (لطائف اشرفی ج ۱ ص ۲۰)، حضرت سید علی ہمدانی علیہ السلام ”جامع بودہ است در علم ظاہری و باطنی..... بے از فوائد سلوک و مواجد سلوک و مواجد و اذواق کہ از حضرت سید یافعی اگر ہر سرسوسے لسان گردو، شکر اوز ہزار کی توانم گذرانید“۔ (لطائف اشرفی ج ۱ ص ۵۳) ”چوں دے متولد شدہ و بن مبارک و چہار سال و چہار ماہ و چہار روز رسید بخدمت شیخ عماد الدین تبریزی درس آغاز کرد“۔ (صحائف اشرفی ورق ۱۱۳)

اور ماں باپ نے اب علم و کمال خاندانی کی طرف اُن کو جھکا دیا۔ ابھی چودہ برس کی عمر ہوئی تھی کہ تمام علوم و کمالات میں سند حاصل کر لی اور عرب و عجم میں علمی کمال و تبحر کا آوازہ بلند ہو گیا اکابر علماء بغرض استفادہ و شاگردی حاضر ہونے لگے اور فارس کی تعلیم گاہوں میں مولانا اشرف عبد اللہ کا طوطی بولنے لگا۔

خدا کی شان دیکھو کہ ماں باپ کو جس قدر اس کی خوشی تھی کہ اُن کے بعد شاہی گھرانہ مولانا اشرف عبد اللہ کے دم قدم سے آباد رہے گا اُسی قدر مولانا اشرف عبد اللہ کو دنیا اور سامان دنیا سے نفرت تھی۔ صرف والدین کے سلام و خدمت کا فرض مجبور کرتا تھا نہیں تو مولانا اشرف عبد اللہ کے قدم مدرسہ سے مسجد اور مسجد سے مدرسہ ہی آتے جاتے تھے اور برائے نام شاہی محسرا میں جانا ہوتا تھا۔ سند علمی حاصل کرنے کے بعد مدرسہ بھی چھوٹ گیا تھا اور مسجد سے باہر کوئی مولانا اشرف عبد اللہ کو کم دیکھتا تھا۔ طبیعت کا رجحان فقر و درویشی کی جانب زیادہ تھا اور عبادت الہی کا ذوق پورا پورا تھا اور کیوں نہ ہو ایک تو سیدوں کا گھرانہ تھا، نبی ﷺ کا خاندان تھا اُس پر آنکھ کھلتے ہی جس ماں کی گود میں پلے تھے اُن کو دیکھا تو اُن کو رابعہ ثانیہ پایا۔ والدہ ماجدہ کا نام نامی تو خدیجہ تھا مگر اُن کو عبادت اور بندگی الہی کا ایسا ذوق تھا کہ کبھی نماز تہجد بھی قضا نہیں ہوتی تھی لوگ ان کو رابعہ ثانیہ ہی کہا کرتے تھے۔ مولانا اشرف عبد اللہ نے ان کی گود میں آنکھیں کھولی تھیں پھر بھلا وہ مسجد سے باہر کیوں نکلتے۔ مولانا اشرف عبد اللہ کی خمیر میں طلب حق کا مادہ بچپن ہی سے تھا، جس بزرگ کو دیکھتے اس سے استفادہ فرماتے۔ ایک مرتبہ حضرت خضر علیہ السلام نے مراقبہ اسم ذات و پاس انفاس کی تعلیم دی تھی اور حضرت خواجہ اولیس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱) نے اجازت اذکار سلسلہ ادویہ دی تھی اور یہی آپ کا معمول رہا۔ قضا را فراغت علمی

۱۔ خیر الناصحین، سلسلہ ادویہ کے بانی اور صوفیہ کے طبقہ اولی (۶۶۱ تا ۸۵۰ء) کے بے مثل نمائندہ تھے۔ ان کے حالات حضرت خواجہ فرید الدین عطار عبد اللہ نے تذکرۃ الاولیاء ص ۱۲، ۱۳ میں بڑی خوبی سے درج کئے ہیں۔ شیخ



کے دوسرے ہی سال سلطان ابراہیم علیہ السلام نے سفر آخرت اختیار کیا اور امراء و وزراء کے اصرار اور خود والدہ ماجدہ کے حکم سے مجبور ہو کر مولانا اشرف علیہ السلام کو تاج شاہی اپنے سر پر رکھنا پڑا اور اپنی عمر کے پندرھویں سال میں مولانا اشرف علیہ السلام کو تاج شاہی اپنے سر پر ہو گئے اور مولانا السلطان سید اشرف علیہ السلام کے نام کا سکہ جاری ہو گیا۔ آپ کے زمانے میں عدل و انصاف اپنی معراج کو پہنچ گیا اور سمنان ایک علمی مرکز بن گیا۔ داد و ستد اور خدمت دین و اہل دین کو دیکھ کر سلاطین زمانہ تخت سمنان سے رشک کرنے لگے اور عام و خاص دینی کارناموں کو دیکھ کر سلطان سید اشرف علیہ السلام کو اوحہ الدین کہنے لگے اور سلطان اوحہ الدین سید اشرف علیہ السلام کہہ کر لوگ آپ کو یاد کرنے لگے۔ سلطان اوحہ الدین سید اشرف علیہ السلام تو روز چاہتے تھے کہ تخت و تاج کو لات مار کر کنارہ کش ہو جائیں

علامہ احمد شہاب الدین القلیبی علیہ السلام نے بھی کتاب القلیبی (مطبوعہ) کے ص ۱۳۵، ۱۳۶ پر حضرت اولیس قرنی علیہ السلام کے ذکر کے سلسلے میں علامہ جلال الدین سیوطی علیہ السلام کے حوالے سے ایک حدیث نقل کی ہے جن کے اصل الفاظ یہ ہیں: ”رَوَى أَبِي سَبْرٍ بْنُ جَابِرٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ إِنْ خَيْرَ السَّابِقِينَ رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ أُوَيْسُ يَأْتِي عَلَى كُمُ فِي أَمْرٍ أَلَيْمٍ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللَّهِ لَا بَرَّهَ فَإِنْ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَسْتَغْفِرَ لَكَ مِنْهُ فَأَفْعَلْ قَالَ فَلَمَّا قَدِمَ عَلَى عُمَرَ سَأَلَهُ أَنْ يَسْتَغْفِرَ لَهُ فَاسْتَغْفِرَ لَهُ“ یعنی اسیر ابن جابر نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ خیر الالبین ایک مرد ہے جس کا نام اولیس ہے جو تمہارے پاس مجاہدین اسلام کی مدد کیلئے یمن کے امدادی لشکر کے ساتھ آئے گا۔ اگر وہ کسی بات پر خدا کی قسم کھالے گا تو اللہ اسے ضرور تمام فرمائے گا۔ پس موقع نصیب ہو تو اپنے لئے اس سے دعائے مغفرت کرائے۔ راوی (اسیر ابن جابر علیہ السلام) نے کہا کہ حضرت اولیس علیہ السلام جب سیدنا فاروق اعظم علیہ السلام کے دور خلافت میں تشریف لائے تو حضرت عمر علیہ السلام نے ان سے اپنے لئے دعائے مغفرت کرائی اور انہوں نے آپ کے لئے دعائے مغفرت فرمائی۔ علامہ جلال الدین سیوطی علیہ السلام ہی کے حوالے سے صاحب کتاب القلیبی بی رقطراز ہیں کہ حضرت اولیس روز صفین حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ تھے اور اسی دن شہید بھی ہوئے۔ حاصل کلام یہ کہ حضرت اولیس قرنی علیہ السلام رفعت و منزلت اور تقدیس و برتری کے اعتبار سے یگانہ و زگار تھے اور اسی لئے انہیں ”خیر الالبین“ کہا گیا ہے۔

اور اپنے چھوٹے بھائی مولانا سید محمد (۱) کو جہانباںی سپرد فرما دیں مگر ایک تو والدہ ماجدہ کا دباؤ تھا دوسرے حضرت خواجہ خضر نے آکر کہہ دیا تھا کہ ابھی کچھ دنوں تک اپنے قدم سے تخت شاہی کی عزت افزائی فرماتے رہئے اس کے بعد جو مناسب ہوگا دیکھا جائے گا، مجبوراً آپ کو تاجداری کرنی پڑی۔

کبھی کبھی فوجی نمائش کے معائنہ کے لئے جب سلطان بنام سیر و شکار نکلتے اور کسی فوجی آدمی کی کوئی بے عنوانی دیکھتے تو اُسی وقت تنبیہ فرما دیتے ادنیٰ ادنیٰ شخص بڑے بڑے فوجی افسروں کی گرفت کرتا تھا اور دربار شاہی سے کامیاب ہوتا تھا ہر شخص کی فریاد براہ راست دربار سلطانی میں جاتی تھی اور انصاف کی طاقت سے شیر اور بکری ایک گھاٹ پر پانی پیتے تھے۔ (۲)

۱۔ بعض تذکروں میں سید محمد کے بجائے محمد عرف یا صرف عرف درج ہے جو اشرف کا قافیہ بھی ہے۔ لیکن اس قافیہ پیائی سے تاریخی تقاضہ پورا نہیں ہوتا کیونکہ لطائف اشرفی ج اول ص ۱۱۷ کی یہ عبارت ”چوں اعراض از سریر سلطنت و اعراض از سریر مملکت کریم و تقویٰ احکام جہانداری و تہذیب سرانجام شہر یاری بہ برادر اعراض از شد موید سلطان محمد نمودیم“ اس صراحت کے ساتھ سید محمد نام کی تائید اور عرف نام کی نفی کرتی ہے۔

(نیز ملاحظہ ہو مصانف اشرفی ورق ۱۱۳ و برکات چشتیہ ۳۹۰)

۲۔ حضرت مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ کے دس سال عہد خلافت میں جو اہم واقعات رونما ہوئے ہیں ان کا کتبۃ الظہار حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ نے متن کتاب میں کر دیا ہے لیکن انکی تفصیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ سلطان بنام سیر و شکار نکلے اور دو تین دن تک یہ تفریحی مشغلہ جاری رکھا۔ سلطان کے سپاہیوں کی جماعت مختلف سمتوں میں جستجوئے صید کیلئے منتشر ہو گئی لیکن سلطان نے اپنے ہاتھوں سے کسی جانور کو ایذا نہیں پہنچائی۔ اگر کوئی زندہ شکار آپ کی خدمت میں لایا جاتا تو آپ ازراہ رحم اسے فضا میں چھوڑ دیتے تھے۔ اسی دوران قیام میں ایک ضعیف سلطان کی خدمت میں پہنچ کر شکوہ سنج ہوئی کہ ایک سرکاری آدمی نے اس کے وہی کا استعمال بالجبر کر لیا ہے۔ اس شکایت کو سنتے ہی حکم سلطانی نے سارے سپاہیوں کو فوراً ایک جگہ جمع کر دیا اور ضعیف نے اصل مجرم کی شناخت بھی کی لیکن مجرم کے انکار پردہ کوئی شہادت نہ پیش کر سکی۔ ایسی صورت میں فضیلت مآب سلطان نے یہ حسن تدبیر اختیار فرمائی کہ استفراغ کے ذریعہ تازہ وہی کو شکم سے باہر نکلوا دیا اور جرم ثابت ہو جانے پر مناسب تادیب کا روئی بھی

## تُرک سلطنت

مثل مشہور ہے کہ دن گذرتے کچھ نہیں جاتے۔ سلطان اوحمد الدین سید اشرف عہد الام کو فرما روائی کرتے دس (۱۰) یا بیس (۲۰) برس (۱) گذر گئے اور پتہ نہ چلا۔ اب وہ وقت آ گیا جس کی تمنا سلطان کو ہمیشہ سے تھی مگر عام بشریت اُس کے سمجھنے سے عاجز ہے ہم تو گرد و پیش پر جب نظر کرتے ہیں تو کوئی چھوٹی بڑی ہستی ایسی نظر نہیں آتی جو کی۔ (لطائف اشرفی ج ۲ ص ۹۱)

سلطان کے عہد خلافت کا دوسرا اہم واقعہ یہ ہے کہ مسافروں کی جماعت کے ایک فرد نے اپنی جماعت پر دربار سلطانی میں یہ الزام لگایا کہ اس کی کمر سے بندھی ہوئی چالیس اشرفیاں غفلت میں نکال لی گئی ہیں۔ جب مسافروں کی جماعت نے حاضر دربار ہو کر جرم سے انکار کیا اور اپنی بے گناہی کے لئے قسمیں کھائیں تو سلطان نے اتمام حجت شرعی کے باوجود ایک حکمت عملی کے پیش نظر ہر مسافر کے قلب پر ہاتھ رکھا تو حقیقی مجرم کا اختلاج والہاب دفعہ بڑھ گیا۔ اس نفسیاتی طرز عمل سے جرم آشکارا ہو گیا اور مجرم نے درباری جلال سے مرعوب ہو کر جرم کا اعتراف و اقرار کر لیا۔ جب اس نے زمرہ روڈ کو نکالا تو ایک اشرفی شام میں کم ہوئی جو خرچ ہو گئی تھی۔

(لطائف اشرفی ج ۲ ص ۹۱، ۹۲)

تیسرا واقعہ مغلوں سے ایک جہاد کا ہے جس میں بالآخر سلطان کو فتح حاصل ہوئی تھی۔ اسی جہاد میں پچاس ہزار مثل سپاہی مارے گئے اور حضرت حاجی نظام بخشی جامع لطائف اشرفی کے لفظوں میں ”زخمی اور مقتول سے میدان جنگ اور نیلے برابر ہو گئے تھے“۔ مال غنیمت میں بیس ہزار سے زیادہ غلام، آٹھ ہاتھی اور بے شمار چوپائے نیز جنگی اسلحہ اسلامی فوج کو میسر آئے۔ لطائف اشرفی میں اس جہاد کا ذکر ادبی حسن و شکوہ کے ساتھ کئی صفحات پر مشتمل ہے۔

(ملاحظہ ہو: لطائف اشرفی ج ۳ ص ۱۱۱ تا ۱۱۷)

۱۔ حضرت مخدوم سمنانی قدس سرہ کی خلافت کی مدت دس (۱۰) سال ہے۔ ۲۳ھ میں یعنی فراغت علمی کے دوسرے ہی سال حضرت عہد الام کے والد بزرگوار سلطان سید ابراہیم عہد الام کا انتقال ہو گیا، پھر شاہی رسم کے مطابق امراء سلطنت و عمائدین مملکت نے اُسی سال حضرت عہد الام کو تخت سمنان کا فرمانروا بنایا۔ خزینۃ الاصفیاء، ج ۱ ص ۳۷۱ میں ہے کہ ”پدر عالی قدر وی سلطان ابراہیم بادشاہ سمنان بود، چون اوقات کرد وی بر تخت سلطنت اجلاس نمود“ ۳۳ھ میں حضرت عہد الام نے ترک سلطنت فرمایا۔ اس اعتبار سے مدت خلافت دس (۱۰) ہی سال ہوتی ہے لیکن حضرت عہد الام کی ولی مہدی کا زمانہ بھی اس میں شامل کر لیا جائے تو بیس (۲۰) سال پورے ہو جاتے ہیں۔

راحت دنیا سے متنفر ہو اور جسے سامانِ عیش کا لٹے کھاتا ہو۔ ہم تو دیکھتے ہیں کہ تخت و تاج، خود مختاری اور سوراخ کے لئے لوگوں نے ایمان کو قربان کر دیا ہے۔ اور ایک ایک دھربلکہ ایک ایک دانہ پر روپے پانی کی طرح بہا دیتے ہیں مگر اپنی چیز نہیں چھوڑتے۔ امیر ہوا غریب کبھی چاہتے ہیں کہ موجودہ حالت سے بہتر آرام کا سامان مہیا ہو جائے اس کے لئے خواہ انسان کے خون کی ندیاں بہہ جائیں خواہ زندہ ہستیاں کھڑی جلادی جائیں مگر اپنا جہنم بھرا ہی رہے اور سچ پوچھو تو بیدینی و گمراہی اور نیکیوں سے سستی اسی زوال دنیا کے چولی دامن کا نام ہے۔ کوئی نبوت کا دعویٰ کرتا اور الوہیت کی ڈینگ مارتا ہے تو دوسرا اللہ و رسول جل و علا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سرکار میں بدزباناں اور منہ زوریاں دکھاتا ہے کہ چار آدمی میں نام بڑھے اور فرقہ بندی کر کے چار پیسے پیدا کئے جائیں تاکہ دنیا آرام سے گذرے۔ کیا جتنے موٹر اور فٹن گاڑیاں تھیٹر کے دروازے پر نظر آتی ہیں مسجد کے دروازے پر بھی ہوتی ہیں، ہرگز نہیں۔ کیونکہ راحت دنیا نے امیروں کے پاؤں میں رسی جکڑ دی ہے اور اُن کا قدم مسجد کی طرف بڑھنے سے روک دیا ہے۔ کسی غریب کسان سے پوچھو کہ نماز کیوں نہیں پڑھتے تو کہتا ہے کہ کھانے کمانے سے چھٹی نہیں ملتی۔ غرض امیر، غریب سب دنیا پر اس طرح فریفتہ ہیں کہ تہذیب و تمدن کسی کی پرواہ نہیں ہے اور نہ غریب دین کبھی بھولے سے یاد پڑتا ہے، چھوٹے بڑے یہی کہا کرتے ہیں کہ۔

یاں تو آرام سے گذرتی ہے عاقبت کی خبر خدا جانے

یہ تو عوام کا حال ہے اور خواص جو بیچ وقتہ نماز کے پابند، روزہ کے عادی، حاجی، حافظ، مولوی صاحب وغیرہ وغیرہ ہیں ہم تو نہیں دیکھتے کہ اُن کو آرام و راحت سے نفرت ہو۔ یہ بالکل سچ ہے کہ زمین، جاندار، دولت، حکومت سے اسلام نے نفرت کی تعلیم نہیں



دی ہے اور بعض حالات میں یہ چیزیں اسلام کو بہت پسند آتی ہیں تاج و تخت والے اور زمیندار و تعلقدار کی فہرست میں بھی اللہ کے پیاروں کے نام ہیں اور بلاشبہ کسب دولت پر اعتراض کرنا اور فقر و درویشی کے لئے ناداری یا مالی کمزوری کو ضروری جان کر ارباب کسب کی نکتہ چینی کرنا سخت جہالت اور نہایت درجہ حماقت ہے مگر دیکھنا تو یہ ہے کہ وہ کسی قسم کا قلب و جگر تھا جس کے سر پر شاہی تاج ہے اور جس کے قدموں کا روند اہو تخت سلطنت ہے، پیسہ، روپیہ، زمین اور جائیداد کا کیا ذکر ہے آزاد حکومت کا زریں تاج اور خزانہ شاہی کا زبردست سرمایہ اور وسیع حکومت پر کامل اقتدار اسے کچھ نہیں بھاتا اور عیش کی گھڑیاں اُس کو ستاتی رہتی ہیں۔ ہم تو جب گردن جھکا کر سوچتے ہیں کہ اپنا ایک پیسہ بھی چھوڑنا ناگوار ہوتا ہے اور اپنے کھیت کی ایک گھاس کوئی اکھاڑے تو ہم فوجداری کے لئے کمر بستہ ہو جاتے ہیں اور اُس کی عزت، دولت اور جان ہماری نگاہ میں گھاس برابر بھی نہیں رہتی تو بیساختہ دل کہتا ہے کہ ترک سلطنت ایک خرقی عادت اور کرامت ہے اور عام بشریت کی قوت سے بالاتر بات ہے اس کے لئے اس برگزیدہ ہستی کی ہمت درکار ہے، جس کی جہانگیری کا آوازہ ملاء اعلیٰ میں بلند ہو چکا ہو اور جس کا طائر ہمت عرش پر پرواز کر رہا ہو۔ افواج قدس جس کی پاسبانی کر رہی ہو اور قلعہ ولایت جس کی حفاظت کے لئے ہو۔ قصر قطبیت میں اُس کا مسکن ہو اور خزانہ کرامت پر اس کا اقتدار ہو۔ تخت ارشاد جس کا پامال ہو اور تاج غوثیت جس کے سر پر جگمگاتا ہو اور محبوبیت کا جامہ جس کے بدن پر زیب دیتا ہو اور سچ تو یہ ہے کہ ترک سلطنت کرنے والے کی حقیقت کا سمجھنا ہم سے دشوار ہے۔ بس آفریں ہے ایسے قلب و جگر پر جس نے سلطنت کو گھاس پھوس کے برابر نہ سمجھا اور دنیا کو اس طرح لات مار دیا جیسے دشمن کو کان پکڑ کے نکال دیا جائے ہم تو

جس قدر ترک سلطنت کی ہمت کو سوچتے ہیں اُتنا ہی سوچتے سوچتے تھک کر بدحواس ہو جاتے ہیں اور خاک سمجھ میں نہیں آتا۔ بہر حال کوئی سمجھ سکے یا نہ سمجھ سکے مگر سلطان ابوحدالدین سید اشرف علیہ السلام کو دیکھئے کہ دس (۱۰) یا بیس (۲۰) برس تاجداری کی تھی کہ ۲۷ رمضان المبارک شب قدر میں حضرت خواجہ خضر آگئے اور کہا کہ اشرف اب وقت آگیا اُنھ کھڑے ہو اور ہندوستان کی طرف چل دو تمہارے پیر تمہارا بڑا انتظار کر رہے ہیں۔ سلطان اس خبر سے خوش ہو گئے۔ نماز فجر پڑھ کر والدہ ماجدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا حال کہہ کر رخصت و اجازت سفر طلب کی۔ ماں نے ناز پروردہ فرزند کو خوشی سے الوداع کہا اور فرمایا کہ جان مادر! تمہارے نانا حضرت احمد یسوی علیہ السلام نے تمہاری پیدائش سے پہلے مجھ سے خواب میں فرمایا تھا کہ تیرے بطن سے آفتاب غوثیت نکلے گا، جاؤ تم کو تمام عالم کی فریادری مبارک ہو۔ سلطان نے اپنے چھوٹے بھائی سلطان مولانا سید محمد علیہ السلام کو تخت و تاج دیا اور سب سے منھ موڑ کر ہندوستان کی طرف متوجہ ہوئے۔ (۱)

### سفر ارادت اور تنہائی

تارک السلطنت مولانا السلطان علیہ السلام مادرِ مشفقہ کی اجازت لے کر مجلسِ ارادت سے نکلے اور شاہی تاج و لباس کو اُتار کر تہ بند باندھا اور ایک کمل اوڑھ لیا اب نہ تاج رہا نہ لباس فاخر رہا جس سر پر ابھی تاج شاہی جگمگاتا تھا وہ طلبِ مولیٰ میں برہنہ ہو گیا جو جسم

۱..... حضرت بندگی نظام الدین ایٹھوی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ ”حضرت امیر کبیر سید اشرف جہانگیر علیہ السلام را بخلاف پیران و سلطان جی مطلق گویند زیرا کہ سلطنت ظاہری ہم میداشت“ اور حضرت ملک محمد جاسی علیہ السلام کا قول ہے کہ ”در صدیقین امت محمد ﷺ دو کس بسبب ترک سلطنت برجیع اولیاء اللہ فضیلت دارند۔ اول سلطان التارکین خواجہ ابراہیم ادھم رضی اللہ عنہ دوم سلطان سید اشرف جہانگیر علیہ السلام (صحائف اشرفی ورق ۱۱۳)۔

شاہی لباس سے آراستہ تھا وہ راہ حق میں کسل پوش ہو گیا جس کا تخت شاہی پامال تھا وہ تلاشِ محبوب کو پایادہ تیار ہو گیا غرض اسی شکل میں آپ نے تمام وزراء و امراء، عمائد و خواص علماء سے وداعی معافقہ و مصافحہ کیا ادنیٰ اور اعلیٰ زیارت کے لئے ٹوٹے پڑتے تھے اور روتے روتے لوگوں کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔ سلطان سید محمد عبداللہ بڑے بھائی کی جدائی سے رو رہے تھے اور سینہ سے لپٹ کر اس طرح پکڑے ہوئے تھے کہ گویا چھوڑنے کا ارادہ ہی نہ تھا، خود تارکِ سلطنت مولانا السلطان عبداللہ اس منظر سے متاثر ہوئے اور بھائی کے گریہ و زاری سے آبدیدہ ہو گئے لوگوں نے سمجھا بجھا کر بھائی کو بھائی سے نامعلوم زمانے تک کے لئے جدا کر دیا۔ سلطان نے اپنی سواری کے خاص گھوڑے کو لیا، اس پر سوار ہوئے مہربان ماں کے حکم سے بارہ ہزار لشکری آپ کے ساتھ ہوئے جن میں دو ہزار ایسے تھے جو ہمیشہ سیر و شکار میں مولانا السلطان عبداللہ کے ہمراہ رہا کرتے تھے حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی عبداللہ بھی چند منزل رخصت کرنے کے لئے چلے آئے تھے سمنان سے نکلتے ہی مولانا السلطان عبداللہ پر جذب و وجد کا پُر کیف غلبہ طاری ہوا اور فی البدیہہ آپ نے یہ غزل فرمائی:

ترکِ دنیا گیر تا سلطان شوی	محرمِ اسرارِ باجاناں شوی
پاہ تخت و تاج و سرورِ راہ نہ	تاسرائے کشورِ یزداں شوی
چہست دنیا کہنہ ویرانہ	در رہ آباد ایں ویراں شوی
تا بکے در دامِ دنیا ہائے بند	در ہوائے دانہ پراں شوی
دامِ فانی بر گسل از پائے جاں	تو تو واصلِ باقی از سبحان شوی
بر گذر از خواب و خورِ مردانہ وار	تا براہِ عشقِ چوں مرداں شوی

گر نہی پا برسر اورنگ جاہ تارکش چوں اشرف سمنای شوی  
 بارہ ہزار فوجی جو ساتھ تھے اُن کو تیسری منزل سے رخصت کر دیا صرف عبید نامی ایک شخص  
 رہ گیا جس کی اکثر ضرورت بھی رہتی تھی اور وہ خود بھی ساتھ چھوڑنا نہیں چاہتا تھا جب آپ  
 اس کو اجازت رخصت کی دیتے تو وہ قدموں سے لپٹ کر رونے لگتا مگر آپ نے بڑے  
 اصرار سے اُس کو مجبور ہی فرما دیا اور سمنان واپس کر دیا۔ کچھ لوگ ملک ماوراء النہر تک بھی  
 ساتھ چلے آئے تھے آپ نے یہاں سے سب کو واپس فرما دیا صرف دو ہمراہیوں کو ساتھ  
 لے لیا۔ چلتے چلتے بخارا پہونچے تو ایک ہوشیار مجذوب کا سامنا ہو گیا، مجذوب نے مولانا  
 السلطان عبداللہ کا سر پکڑا اور اپنا سر اُس پر رگڑنے لگے۔ اس حرکت سے سلطان عبداللہ پر  
 ایک طرح کی غشی طاری ہو گئی، مجذوب صاحب ہٹ گئے اور پورب کی طرف اشارہ کر  
 کے کہا کہ ادھر جلد جلد جاؤ۔

مولانا السلطان عبداللہ دونوں ہمراہیوں کے ساتھ مشرق کی طرف چلے اور بلا  
 توقف جلد جلد مسافت طے فرمانے لگے۔ راستے میں شہر سمرقند ملا یہاں شیخ الاسلام نے  
 تاڑ لیا کہ یہ شاہی شان کے مہمان ہیں، دعوت میں بڑا تکلف کیا اس تکلف سے مولانا  
 السلطان عبداللہ کو سخت تکلیف ہوئی اور فرمایا کہ فقیروں کو ان تکلفات کے جھگڑوں سے کیا  
 مطلب ہے آپ نے سمرقند سے نکلتے ہی دونوں ساتھیوں کے گھوڑے ایک غریب کو  
 دیدیئے اور اپنی سواری کا گھوڑا بھی ایک محتاج کو دے ڈالا اور فرمایا کہ گھوڑوں کو علیحدہ  
 کر دینا بہتر ہے نہیں تو درویشوں کو رسوا کر ڈالیں گے۔ اب مولانا السلطان عبداللہ جن  
 کے قدم چند روز پیشتر تخت سلطانی کو پامال کر رہے تھے اور جن کو دو قدم بھی پیدل چلنا نہیں  
 پڑا تھا جن کے لئے سواری کا ہجوم دروازے پر رہتا تھا آج ایک دور دراز مسافت طے



کرنے کے لئے پاپیادہ تیار ہو گئے۔ زمانہ شاہی کی صرف ایک بچی بچائی نشانی بھی آج دور کر دی گئی، گھوڑا جدا کر دیا گیا اور پیدل سفر اختیار فرمایا۔ رات ایک گاؤں میں بسر ہوئی۔ تھکان سفر سے گہری نیند آئی، آدھی رات کو آنکھ کھلی تو دونوں ساتھی سو رہے تھے، آپ نے خیال کیا کہ ان دونوں کو بھی واپس کر دینا اچھا ہے جب پوری تنہائی ہوگی تو عالم تجرید کا فیضان زیادہ ہوگا۔ اس خیال کا آنا تھا کہ آپ نے دونوں ہمراہیوں کو وہاں سے واپس کر دیا اور تنہا تلاش شیخ کے لئے چل کھڑے ہوئے۔

تنہائی کیا چیز ہے اس کو آپ اپنے دل سے پوچھئے اہل دنیا کیلئے بڑی سے بڑی بلا اور سخت سے سخت عذاب تنہائی ہے۔ لوگ اس کو بیکسی کہتے ہیں اور تنہائی کا نام سن کر رو پڑتے ہیں۔ تعزیرات حکومت میں قید تنہائی کی سزا سخت سزا سمجھی جاتی ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ دو گھنٹے کے سفر کے لئے کوئی ساتھی نہیں ہوتا تو ایک ایک قدم بھاری ہو جاتا ہے اور طبیعت گھبرا گھبرا اٹھتی ہے مگر مولانا السلطان عبداللہؒ کو دیکھئے جو کچھ دن پہلے امراء و وزراء کے جھرمٹ میں رہتے تھے اور امیر و غریب کا ہجوم جن کے پاس جمع رہتا تھا، جن کے گھر رات دن آدمیوں کا میلہ لگا رہتا تھا اور جو ایک ساعت کے لئے بھی زمانہ پیدائش سے لے کر تنہا نہ رہے وہ آج خوشی سے بالکل یکہ و تنہا ہو گئے اور نادیدہ راہ پر جس کی انتہا سے بے خبری ہے اکیلے چل کھڑے ہوئے۔ آپ کو یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ میرے ساتھ ہے اور اس کے سوا دوسرے کو ساتھی بنانا بڑی غلطی ہے۔ عالم تجرید و تفرید تنہائی چاہتی ہے اور یہ تنہائی بیکسی نہیں ہے بلکہ یکتائی ہے۔

### ہندوستان میں ورود اور تکمیل ارادت

سمرقند سے نکل کر جس گاؤں سے مولانا السلطان عبداللہؒ اکیلے اور پاپیادہ

سفر فرمانے لگے وہاں سے آپ کے جذبہ ارادت و شوق بیعت کی کیفیت بہت زیادہ بڑھ گئی اور شیخ کی تلاش اور پیرومرشد کی جستجو کے خیال کا غلبہ ہوا۔ آپ تھے تو سفر میں مگر آنکھ دیکھتے کوئی آپ کے آگے پیچھے نہ تھا نہ کسی سے بات چیت کرنا نہ کسی کی گفتگو سننا، چپ چاپ راستہ کاٹنے کے سوا کوئی آپ کا کام نہ تھا گویا ہر گھڑی آپ کو چلتے پھرتے خلوت نصیب تھی جس میں ذکر خدا اور رسول ﷺ اور خیال مرشد کے سوا کسی کی گنجائش نہ تھی، آپ کا قدم قدم میدانِ محبت میں پڑ رہا تھا اور راہ کا ہر خار، گل بونا نظر آرہا تھا نہ پیدل چلنا بار معلوم ہوتا تھا نہ ظاہری تنہائی کی گھبراہٹ تھی۔ بس ایک طلب شیخ کے دریا میں غواسی کرتے، عرصہ اخلاص و محبت کے بیابان کو طے کرتے، نیا دانہ کھاتے، نیا پانی پیتے سیدھے پورب کی طرف آپ جا رہے تھے اور جلد جلد قدم بڑھا رہے تھے کہ آپ کو مہینوں بعد ہندوستان پہونچنا ہوا۔

ملتان کے قریب اوچہ شریف (۱) میں آپ پہونچے تو حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۲) سے ملاقات ہوئی۔ حضرت مخدوم علیہ السلام نے فرمایا کہ

۱..... مختلف تذکروں میں اس مقام کا نام اوچہ، اوچہ، اچہ یا اوچ بتایا جاتا ہے جو آٹھویں صدی ہجری کا شہر تھا۔ اب یہ ایک قریہ ہے اور اس کا موجودہ نام اُج ہے لیکن آج بھی یہ مقدس مقام زیارت گاہ خلائق ہے اور حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت علیہ السلام کے روحانی تصرفات کی آماجگاہ ہے۔

۲..... حضرت مخدوم سید جلال بخاری جہانیاں جہاں گشت علیہ السلام (المتوفی ۸۵۷ھ) ایک عظیم المرتبت شخصیت کے حامل تھے۔ انھیں ایک طرف علوم اسلامیہ میں غیر معمولی استعداد تھی اور دوسری جانب وہ طریقت و تصوف کے آشنائے رموز و اسرار تھے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ”جامع ست میاں علم و ولایت و سیادت“ (اخبار الاخیار ص ۱۴۲) اسی طرح دوسرے تذکرہ نگار کا ارشاد ہے کہ ”ظاہری علم اور باطنی معلومات سب کچھ آپ کو حاصل تھی“ (ادکار ابرار ص ۱۱۲)۔

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت علیہ السلام (۱۵ شعبان المعظم ۷۷۷ھ) کو اس دار فانی میں تشریف لائے۔ انہوں نے اپنی ۷۷ سالہ زندگی میں تمام بلاد اسلامیہ کی سیاحت فرمائی اور اپنے وقت کے علمائے عظام اور

مشائخ کبار سے فیوض و برکات حاصل کئے۔ چنانچہ صاحب اخبار الاخبار رقیطراز ہیں کہ ”سیاحت بسیار کردہ و از بسیاری از والیاء نعمت و برکت یافتہ..... وظیفہ چہارودہ خانوادہ بود“۔

گلزار ابرار مصنفہ مولوی محمد غوثی کا اردو ترجمہ اذکار ابرار (مطبوعہ) میرے پیش نظر ہے۔ اس کتاب کے ص ۱۱۳، ۱۱۴ پر حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت علیہ الرحمہ کی تحصیل خلافت کا ذکر چودہ خانوادوں کے بجائے پندرہ خانوادوں سے تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے جن کی ترتیب یہ ہے:

حضرت سید کبیر بخاری (پدر بزرگوار) حضرت سید محمد بخاری اور بقول صاحب اخبار الاخبار حضرت شیخ صدر الدین بخاری (عم محترم) حضرت شیخ رکن الدین ابوالفتح، حضرت شیخ الاسلام محمود شاہ، حضرت امام عبداللہ یافعی، حضرت شیخ ابوعبید عینی، حضرت شیخ نور الدین علی ابن عبداللہ طرابلسی، حضرت شیخ فرید الدین سنخ شکر، حضرت شیخ قطب الدین منور، حضرت مولانا شمس الدین بختی اودھی، حضرت نصیر الاولیاء چراغ دہلی، حضرت شیخ رکن الدین منجی، حضرت سید جلال اوچووی، حضرت سید حمید الدین محمود چشتی سرقدی، اور حضرت شیخ نجم الدین اصفہانی علیہم السلام۔ اس اعتبار سے حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت علیہم السلام نے پندرہ خانوادوں سے خلافت حاصل فرمائی تھی۔

پیش نظر کتاب (اذکار ابرار) کے ص ۱۱۴ پر یہ بھی تحریر ہے کہ ”ان کے سوا اور خلافتیں جو صحت کے درجہ کو نہیں پہنچی ہیں بہت سی ہیں“..... حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت علیہم السلام کے ملفوظات کا مجموعہ خزانہ جلالی کے نام سے ہے اور شیخ جمال نامی ایک مرید نے بھی حضرت مخدوم علیہم السلام کی شنیدہ و غیر شنیدہ باتوں کو جامع العلوم جلالی کے نام سے مرتب کیا تھا جن کے مطالعے سے حضرت مخدوم علیہم السلام کی جلالت علمی اور عالی مقامی کا اندازہ ہوتا ہے۔ (اخبار الاخبار، اذکار ابرار)۔

واقعات کے تسلسل کو قائم رکھنے کے لئے اس امر کا اظہار ضروری ہے کہ حضرت مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ شہر اچہ پیونج کر تین دن تک حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت علیہم السلام کے مہمان رہے، یہاں آپ نے عجائبات کا مشاہدہ فرمایا اور نعمت ہائے گوناگوں سے مالا مال ہوئے۔ صحائف اشرفی میں مذکور ہے کہ ”در خطہ اچہ بشرف خدمت حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت سید جلال بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشرف گشت و نعمت قطبیت و غوثیت و شرف اجازت و خلافت سلسلہ قادریہ حاصل نمود و ہنگام رخصت ذکر جہر حلقہ اصحاب و تعویذ غفوری برائے جملہ امور بدست آورد، نعمت ہائے متوافرہ کہ از اکابر روزگار و واعظم دیار و امصار بحضور حضرت مخدوم جہانیاں رسیدہ بود نصیب دے گشت“۔ (مزید حالات کے لئے ملاحظہ ہو لطائف اشرفی ج ۲ ص ۹۴، خزینۃ الامنیاء ج ۲ ص ۶۳ تا ۵۷)۔



عرصہ کے بعد ایک طالب صادق کی مہک نے دماغ کو معطر کیا ہے اور ایک زمانہ کے بعد ایک فرزند رسول ﷺ کے دیدار نے مسرور کیا ہے۔ اے سلطان سید اشرف علیہ السلام! بس جلدی کرو اور دربار شیخ میں بعجلت حاضر ہو، میرے بھائی حضرت شیخ علاء الحق والدین علیہ السلام (۱) تمہارا انتظار کر رہے ہیں جب آپ نے اپنے برکات و نعمات سے آپ کو مالا مال کر دیا تو آپ وہاں سے روانہ ہوئے اور منزلیں طے کرتے دہلی پہونچے۔ یہاں ایک ماہ صورت بزرگ ملے احمد فرمایا کہ اے اشرف! دیکھو بڑی جلدی کرو، راستہ میں کہیں نہ ٹھہرو، میرے برادر حضرت شیخ علاء الحق والدین علیہ السلام تمہارے سجد منتظر ہیں۔ آپ دار السلطنت دہلی سے بھی نکل پڑے اور تیز رفتاری کے ساتھ سفر کرنے لگے۔ راستہ میں بہار شریف ملا، جس دن آپ بہار شریف پہونچے تھے اُسی دن حضرت مخدوم الملک شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ (۲) کا وصال ہوا تھا۔ اختلاف روایات کی وجہ سے

۱۔..... سلطان المرشدین حضرت شیخ علاء الحق والدین قدس سرہ (المتوفی ۸۰۰ھ) حضرت شیخ سراج الدین عثمان مشہور باخی سراج قدس سرہ کے مرید اور خلیفہ اعظم تھے۔ حضرت اخئی سراج علیہ السلام کو حضرت محبوب الہی شیخ نظام الدین اولیاء علیہ السلام نے سند خلافت دے کر ”آئینہ ہند“ کا خطاب عطا فرمایا تھا (ملاحظہ ہواخبار الاخبار، مراۃ الاسرار، اذکار ابرار، سیر الاولیاء، مروضۃ الاقطاب وغیرہ)

حضرت اخئی سراج علیہ السلام کے فیضان نظر کا یہ کرشمہ تھا کہ حضرت شیخ علاء الحق سلطان المرشدین کہلائے اور بصیرت و معرفت کی اس منزل رفیع پر قیام پذیر ہوئے کہ مملکت سمنان کا سلطان (حضرت مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی علیہ السلام) تخت شاہی کو ٹھکرا کر آپ کی بارگاہ یکس پناہ میں جبین عقیدت کو جھکانے کے لئے پہونچ گیا۔ (اس سلسلے میں معارج الولاہیت اور خزینۃ الاصفیاء بھی ملاحظہ ہو)

۲۔..... حضرت مخدوم الملک شیخ شرف الدین احمد بن یحییٰ بن اسرائیل منیری علیہ السلام (المتوفی ۸۲۷ھ) ہندوستان کے مشاہیر مشائخ اور اولیاء کبیر میں نمایاں اوصاف حمیدہ اور صفات صالحہ کے حامل تھے۔ بقول صاحب اخبار الاخبار ”چہ احتیاج کہ کسی ذکر مناقب او کند“ حضرت مخدوم الملک علیہ السلام آغاز سلوک کی منزل میں اصلاح نفس کی خاطر



یہ صحیح طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ آپ بہار شریف قد مبوسی شیخ سے پہلے پہونچے تھے یا بیعت و ارادت کے بعد وہاں پہونچنا ہوا تھا مگر اس پر سب کا اتفاق ہے کہ جس دن آپ بہار شریف پہونچے تھے اسی دن حضرت مخدوم الملک علیہ السلام کی وفات ہوئی تھی۔

حضرت مخدوم الملک علیہ السلام کو نور ولایت سے آپ کی آمد معلوم تھی اسی لئے سب خادموں اور وارثوں کو وصیت فرمائی تھی کہ ایک صحیح النسب سید فرزند رسول ﷺ تارک سلطنت اور ساتوں قراتوں کا حافظ آرہا ہے۔ میرے جنازہ کی نماز وہی

دامن کوہ میں رہا کرتے تھے اور آپ کی والدہ ماجدہ اپنے ایک غلام فتوحانی کے ہاتھ کھانا بھیج دیا کرتی تھیں، لیکن آپ اپنی عبادت و ریاضت میں اس قدر سرمست رہے کہ طعام دنیاوی کی طرف کوئی التفات نہیں فرمایا۔ (اذکار ابراہیم ص ۹۷)

ایسی غیر معمولی ریاضت شاقہ کے بعد حضرت مخدوم الملک علیہ السلام نے ایک خضر منزل کی ضرورت کو شدت کے ساتھ محسوس فرمایا جو منازل عرفانیات کا دانا بھی ہو اور مینا بھی..... چنانچہ آپ حضرت محبوب الہی شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہ سے بیعت کے لئے دہلی روانہ ہوئے اور دہلی پہونچنے سے قبل ہی حضرت محبوب الہی علیہ السلام کا وصال ہو گیا، لہذا آپ نے حضرت شیخ نجیب الدین فردوسی علیہ السلام (المتوفی ۷۳۳ھ) سے اجازت رشد و خلافت حاصل فرمائی (اخبار الاخیار ص ۱۱۸، خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۲۹۱) علاوہ ازیں ایک دوسری روایت بھی ہے کہ حضرت مخدوم الملک علیہ السلام دہلی پہونچنے پر حضرت محبوب الہی قدس سرہ باحیات تھے اور حضرت ہی کے حکم سے حضرت مخدوم الملک علیہ السلام، حضرت شیخ نجیب الدین فردوسی علیہ السلام کے کا شانہ فیض پر حاضر ہوئے (اذکار ابراہیم ص ۹۸، لطائف اشرفی ج ۱ ص ۳۷۷) حضرت مخدوم الملک علیہ السلام کو دیکھ کر پیر روشن ضمیر نے فرمایا کہ ”برسوں سے یہ درویش شہاری امانت تم کو دینے کے لئے منتظر ہے“۔ (اخبار الاخیار ص ۱۱۸، اذکار ابراہیم ص ۹۸، خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۲۹۱) حضرت مخدوم الملک علیہ السلام نے خلافت و ارادت اور امانت روحانی حاصل کر لینے کے بعد اپنے وطن مالوف کی جانب مراجعت فرمائی اور ایک طویل عرصے تک خلق خدا کے لئے چشمہ فیضان و ہدایت بنے رہے۔ اس ضمن میں صاحب خزینۃ الاصفیاء نے حضرت مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی علیہ السلام کے مزید شریف تشریف لانے اور حضرت مخدوم الملک علیہ السلام کے جنازے کی نماز پڑھانے کا ذکر بھی بالتفصیل کیا ہے لیکن اس کی زیادہ وضاحت حیات غوث العالم کے متن میں موجود ہے (نیز ملاحظہ ہو: لطائف اشرفی ج ۲ ص ۹۴، ۹۵)

حضرت مخدوم الملک علیہ السلام کی تصانیف میں مکتوبات، معدن المعانی، ارشاد السالکین اور شرح آداب المریدین کو زیادہ شہرت ہے لیکن بقول صاحب الاخبار الاخیار ”از جملہ تصانیف و مکتوبات مشہور تر و لطیف ترین“۔

پڑھاویں۔ چنانچہ لوگ منتظر تھے۔ ابھی ذرا سی دیر ہوئی تھی کہ شیخ جلالی نامی ایک بزرگ آبادی سے باہر آکر تلاش کرنے لگے کہ کوئی آتا ہو۔ آپ بہار شریف پہنچتے ہی شہر میں داخل ہو گئے، شیخ جلالی نے دیکھتے ہی سمجھ لیا کہ انھیں کی تلاش ہم کو ہے، دوڑ کر پوچھا کہ آپ سید ہیں۔ آپ نے بڑی عاجزی سے فرمایا کہ ہاں! اسی طرح سب علامتوں کو پوچھا جب سمجھ گئے کہ انھیں کے متعلق حضرت مخدوم الملک عبداللہ نے امامت کی وصیت فرمائی ہے تو آپ کو حضرت مخدوم الملک عبداللہ کے خلفاء سے ملایا اور جنازہ کے پاس لے گئے۔ سب لوگوں نے آپ سے نماز پڑھانے کو کہا، پہلے تو آپ نے بطور انکسار انکار فرمایا اور پھر اصرار سے مجبور ہو کر نماز پڑھائی۔ جن محققین کے نزدیک بہار شریف کی آمد بیعت سے پہلے ہے اُن کا بیان ہے کہ جب حضرت مخدوم الملک عبداللہ کے دفن سے فراغت ہوئی تو آپ کو بے چینی پیدا ہوئی اور خیال ہوا کہ شاید یہ میرے شیخ کا جنازہ تھا، اس خیال کی تائید ایک تو اس بات سے ہوئی کہ راستے میں سب بزرگوں نے جلد جلد سفر کرنے کی تاکید کی تھی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ کا آخری زمانہ ہے۔ لہذا مجھ سے ضرور تاخیر ہوئی اور میں صحبت شیخ سے محروم رہ گیا دوسری تائید اس بات سے ملتی تھی کہ آپ کے خیال میں بہار شریف ملک بنگالہ کی آبادی تھی اور آپ کو معلوم تھا کہ میرا پیر و مرشد بنگال میں ہے اس خیال کا آنا تھا کہ آپ کا دل تڑپ اٹھا اور ماہی بے آب ہونے لگا، دماغ میں قیامت خیز صورتیں ہزاروں بنتیں اور مٹ مٹ جاتیں، جگر میں ایک ٹیس اٹھتی اور بے چین کر دیتی، آپ سوچنے لگے کہ جس یار کی خاطر ملک و دیار چھوڑا، اعزہ و اقرباء چھوٹے، تخت چھوٹا، وطن چھوٹا، راج چھوٹا، آہ آہ کہ آج وہ یار و دلدار چھوٹا، ہائے وہ چھوٹا جس کے لئے سب کچھ چھوٹا۔ یہ تو بہت دیکھنے میں آیا ہے کہ پیر صاحبان موٹے موٹے مریدوں

کی تلاش میں نکلتے ہیں اور نہ پانے پر غمگین ہو جاتے ہیں مگر مولانا السلطان عبداللہ اس خوبی میں اپنی مثال نہیں رکھتے کہ مال و دولت اور گھریار کو تنج کر پیر کی تلاش کو نکلے ہیں اور اس خیال سے کہ پیر نہیں ملا، صدمات کی گھنگھور گھٹائیں گھر کر سامنے آگئی ہیں۔

مولانا السلطان عبداللہ کی زندگی میں یہ پہلا دن تھا کہ غم کا بوجھل پہاڑ سر پر گرا تھا اور مصیبت کا خوفناک مجسمہ پیش نظر تھا۔ قریب تھا کہ قلب نازک پاش پاش ہو جائے اور گریبان کے ساتھ ساتھ جگر بھی چاک چاک ہو جائے کہ اسی حالت میں حضرت مخدوم الملک عبداللہ کی روحانیت آگئی اور فرمایا کہ فرزند اشرف! خاطر جمع رکھو تمہارا پیر اب تک جلوہ افروز مسند رشد و ہدایت ہے اور تمہارا انتظار فرما رہا ہے۔ اس خبر نے آپ کو نئی زندگی بخشی اور تمام بدن میں عید کی سی خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی اور آپ قیام گاہ پر مطمئن تشریف لائے۔

اتنے میں خبر آئی کہ حضرت مخدوم الملک عبداللہ کے مزار پر انوار سے حضرت کا ہاتھ نکل آیا ہے۔ قبر شریف کے کنارے کنارے عام و خاص کا جھوم ہو گیا اور کسی کی سمجھ میں یہ معرہ نہیں آیا کہ کیوں ہاتھ نکلا؟ تمام خلفاء و مریدین متحیر تھے اور کوئی بات کی نہ کو نہیں پہنچتا تھا لوگوں نے آکر مولانا السلطان عبداللہ سے سارا حال عرض کیا اور کہا کہ حضور ہی فرمائیں کہ اس کا سبب کیا ہے؟ مولانا السلطان عبداللہ نے فرمایا کہ حضرت شیخ کے پاس مردان غیب کی عطا کردہ ٹوپی تھی اور تم لوگوں کو وصیت فرمادی تھی کہ قبر میں اُس کو رکھ دینا مگر تم لوگ بھول گئے اُسی کو حضرت شیخ طلب فرما رہے ہیں سب نے کہا: ٹھیک ہے اور ٹوپی لے جا کر ہاتھ پر رکھ دی اُسی وقت ہاتھ قبر میں چلا گیا۔

آپ اُس رات کو حضرت مخدوم الملک عبداللہ کے مقبرہ میں رہے حضرت مخدوم الملک عبداللہ نے اپنے مکتومات کو پڑھایا اور اپنے برکات سے مالا مال فرمادیا اور فرمایا کہ







اور ایک دوسرا محافہ خالی اپنے ساتھ لے لیا اور آبادی پنڈوہ (۱) سے باہر تشریف لے جانے لگے حضرت شیخ کے چلتے ہی سب چھوٹے بڑے نیاز مند ساتھ ہو لئے اور تمام شہر میں غل مچ گیا کہ حضرت شیخ کسی بزرگ کے استقبال کو جا رہے ہیں۔ اس خبر نے عام اہل شہر میں جوش پیدا کر دیا اور لوگ جوق در جوق گھر سے نکل کر حضرت شیخ کے ہمراہ ہو لئے۔ یہ عظیم الشان ہجوم لئے ہوئے حضرت ایک کنبھل کے درخت کے نیچے اترے اور وہاں ٹھہر گئے۔ سامنے غبار سا نظر آیا، تھوڑی دیر کے بعد معلوم کیا کہ مسافروں کا قافلہ آرہا ہے، حضرت شیخ نے ایک خادم کو قافلے میں دریافت حال کے لئے بھیجا اُس نے آکر بیان کیا کہ ایک نورانی شخص ملک سمنان کے رہنے والے جن کا نام اشرف ہے حاضر خدمت ہوتے ہیں۔ یہ سن کر حضرت شیخ خوش ہو گئے اور چند قدم آگے بڑھے اُدھر سے مولانا السلطان عبید (۲) دوڑے اور شیخ کے قدم پر سر کور کھ دیا۔ حضرت شیخ نے سر کو ہاتھوں سے اٹھا کر سینہ سے لپٹا لیا اور دیر تک سینہ سے لگائے رہے اس کے بعد مولانا السلطان عبید (۲) سب لوگوں سے ملے اور حضرت شیخ کے سامنے باادب بیٹھ گئے اور عرض کیا:

چہ خوش باشد کہ بعد از انتظارے بامیدی رسد امیدوارے

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس امید کے لئے میں نکلا تھا اُس کو پا گیا۔

حضرت شیخ۔ فرزند اشرف! جس کے پاس تم پہونچنا چاہتے تھے وہ تمہارے ساتھ تھا ہاں یہ ضرور ہے کہ تم کو آنکھ دیکھتے جدائی کی دشوار گزار گھڑیاں کاٹنی پڑیں۔

مولانا السلطان۔ (گردن جھکائے ہوئے)

فراق از خویشتن بنو دارادت چورفت از دست می باید کشیدن

زیادت از سکندر بود مارا ہوائے آب حیواں را چشیدن

۱۔ پنڈوہ شریف (PUNDOOAH) صوبہ مغربی بنگال کی مشہور زیارت گاہ ہے جہاں امام رجب میں عرس کے موقع پر لاکھوں انسانوں کا ہجوم ہوتا ہے۔ کچھو چھو شریف کے ریلوے اسٹیشن اکبر پور سے پنڈوہ شریف کا فاصلہ ۸۴۸ کیلومیٹر ہے۔

چو ذرّہ در ہوائے روئے خورشید    بسر گردیدم از بہر رسیدن  
توانی زندہ کر دن مردہ را    کہ جاں در جسم بے جاں بردمیدن  
تن بے جاں بعیے دم رسیدہ    بعیے دم بدم تا دم رسیدن  
اے حضور مجھ پر جو گزری وہ تو گذر گئی اب قدم بوسی کی عزت نے گذشتہ مصیبتوں کو  
فرا موش کر دیا ہے۔

حضرت شیخ: جس دن تم سمنان سے نکلے تھے اُسی دن سے ہر ہر منزل پر میں تمہاری نگرانی  
کرتا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ اب تم کو اپنے پاس دیکھتا ہوں میری ساری محنت ٹھکانے لگ  
گئی اچھا اب چلو یہ میرا محافہ ہے اس پر سوار ہو جاؤ۔

مولانا السلطان: حضور یہ نہیں ہو سکتا کہ آقا سوار ہو اور غلام بھی سوار ہو۔

حضرت شیخ: خیر میری خاطر سے سوار ہو جاؤ۔

مولانا السلطان: حضرت شیخ کے اصرار سے مجبور ہو گئے اور محافہ میں بیٹھ کر حضرت شیخ کے  
ہمراہ چلے جیسے ہی خانقاہ نگاہوں کے سامنے آئی مولانا السلطان علیہ السلام محافہ سے بے  
اختیار کود پڑے اور حضرت شیخ کے سامنے سر جھکا کر عرض کرنے لگے۔

### غزل

بار جناب دولت سر بر نہادہ ایم	رفت وجود بر سراں در کشادہ ایم
ظلمات راہ گرچہ بریدیم عاقبت	تشنہ بر آب چشمہ حیواں فادہ ایم
بر شاہ راہ فقر نہادیم رُخ ولے	بر عرصہ حریم چو فرزیں پیادہ ایم
سر بر حریم حضرت حالی نہادہ رو	بر روئے تو کشادہ و بردرستادہ ایم
اے بر حریم عرش جناب تو ماز سر	پایر نہادہ ایم چہ بر تر نہادہ ایم

دارم امید مقصد عالی ز درگہت چوں در دیار غربت ازیں ہم زیادہ ایم  
 اشرف مس وجود خود آورد بہر زر از دولت حکیم چو اکسیر دادہ ایم  
 اے سرکار ابد اقرار! اب مجھ میں بیٹھے رہنے کی تاب نہیں ہے میں تو اسی  
 گستاخی سے کٹا جاتا ہوں کہ جس زمین مقدس پر سر رکھنا چاہئے تھا وہاں پاؤں پر  
 کھڑا ہوں، میں ایک غریب الوطن مسافر اس بارگاہ سے مراد لینے آیا ہوں، اور  
 حق عظمت ادا کرنے سے معذور ہوں۔

حضرت شیخ نے اس غزل کو غور سے سنا اور مولانا السلطان عبد اللہ کے سر کو اٹھا کر  
 اپنی گود میں لے لیا اور ایک ہی نگاہ کرم میں ساحل مقصود تک پہنچا دیا۔  
 حضرت شیخ نے خانقاہ پہنچ کر مولانا السلطان عبد اللہ کو اپنے پاس قریب بٹھالیا  
 اور عبد اللہ نامی خادم کو حکم دیا کہ دسترخوان بچھاؤ۔ خدام پانی لے آئے اور حضرت شیخ کے  
 ہاتھ کو دھلایا اس کے بعد حضرت شیخ نے مولانا السلطان عبد اللہ سے فرمایا کہ فرزند اشرف!  
 اب دونوں جہاں کے اغراض و مطالب سے ہاتھ دھو لو تا کہ لقاء اور وصل کا دسترخوان  
 تمہارے لئے بچھایا جائے۔

مولانا السلطان عبد اللہ نے فرمایا کہ اے حضور خود اپنے سے ہاتھ پہلے دھو چکا  
 ہوں جب تو فرش وصال پر آج بیٹھا ہوں غرض مولانا السلطان عبد اللہ نے ہاتھ دھویا اور  
 پھر سب حضرات نے ہاتھ دھویا۔ دسترخوان پر طرح طرح کے کھانے چنے گئے، حضرت  
 شیخ نے اپنے مبارک ہاتھ سے چار نو الے مولانا السلطان عبد اللہ کو خود کھلائے جس کو منہ

حقیقت توحید : اسلام کے بنیادی عقیدہ توحید کو قرآن و حدیث اور علماء ائمہ کے ارشادات کی  
 روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ دلائل توحید اور شفاعت شان کبریائی اور منصب رسالت ربوبیت  
 عامہ اور خاصہ صفات الہی عقیدہ توحید اور جشن میلاد النبی ﷺ، عبادت اور تعظیم عبادت اور استغاثت  
 وحدت وتوحید بشریت و عبدیت مصطفیٰ ﷺ..... اس کتاب کے موضوعات ہیں۔ محمد یحییٰ انصاری اشرفی کی تصنیف

میں کمال تعظیم سے مولانا السلطان عبد (رحمہ) نے لے لیا۔ سب لوگ متحیر تھے کہ آج تک حضرت شیخ نے کسی کو اس طرح سرفراز نہیں فرمایا تھا۔ دسترخوان پر سب لوگ کھانا کھا رہے تھے اور مولانا السلطان عبد (رحمہ) جمال شیخ کا بیٹھے ہوئے نظارہ کر رہے تھے۔ آخر میں لوگ چکے ہوئے چاول لائے جو خاص طور پر پانی سے ٹھنڈے کئے گئے تھے اس کھانے کو اُس زمانے میں لوگ پن بھتہ (۱) کہا کرتے تھے حضرت شیخ نے چاول کو مولانا السلطان عبد (رحمہ) کے سامنے رکھ دیا اور فرمایا کہ کھاؤ اس سے شربت وصال کے پیاسوں کو بڑی تسکین ہوتی ہے اور پیاس بجھ جاتی ہے۔ جب کھانا ختم ہو گیا اور دسترخوان بڑھا دیا گیا تو پان کی گوریوں آئیں حضرت شیخ نے اپنے ہاتھ سے پے در پے مولانا السلطان عبد (رحمہ) کو چار گوریوں کھلائیں۔

جب اس سے بھی فراغت ہوئی تو حضرت شیخ نے مولانا السلطان عبد (رحمہ) کو حسب معمول بزرگان مرین کیا اور اپنے ہاتھ سے اُن کے سر پر اپنا تاج رکھ دیا اُسی وقت مولانا السلطان عبد (رحمہ) نے یہ اشعار فرمائے۔

جہادہ تاج دولت بر سر من      علاء الحق والدین گنج نابات  
زہے پیرے کہ ترک از سلطنت داد      بر آور دہ مرا از چاہ آفات  
بیعت کے بعد لوگوں نے مبارک، سلامت کا آواز بلند کیا، مولانا علی عبد (رحمہ) نے جو حضرت شیخ کے جلیل القدر خلیفہ تھے فی البدیہہ یہ اشعار میں اس طرح مبارکباد دی کہ  
مرید عشق را از پیر ارشاد      جہاں آمد مبارکباد کردہ  
در آور دہ بسر قید ارادت      ز بند روز گار آزاد کردہ

۱..... آج بھی اس کھانے کا رواج بنگال میں عام ہے اور پنڈوہ شریف نیز اس کے مضافات میں تو خصوصیت کے ساتھ اس کھانے کا اہتمام ہوتا ہے۔ راقم الحروف کو اکثر ایسے لوگوں سے ملاقات کا اتفاق ہوا ہے جو پن بھتہ کو ”غذائے جسمانی و روحانی“ دونوں سے تعبیر کرتے ہیں۔



## جھانگیر

سچ ہے مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ لِلّٰهِ جَوَالِدُ تَعَالٰی کا ہو رہتا ہے اُس کا اللہ تعالیٰ ہو جاتا ہے۔ مولانا السلطان عبد اللہ کا اللہ والا ہونا اُسی دن دنیا کو معلوم ہو گیا تھا جبکہ شاہی اقتدار کو آپ نے ٹھوکر ماردی تھی اور تحت سلطنت کولات مار کر ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا تھا۔ اب خدا خدا کر کے وہ دن آیا کہ مولانا السلطان عبد اللہ اُس بڑی سرکار میں پہنچے جہاں کی آستانہ بوسی کی آرزو نے حکومت سے متنفر کر دیا تھا۔ راہ طلب کی کوئی دشوار گزار گھاٹی نہ تھی جس کو آپ نے بخوشی طے نہ فرمایا ہو اور امتحان کا کوئی شعبہ نہ تھا جس میں آپ نے نمایاں کامیابی حاصل نہ کی ہو اور اب اس کا وقت آ گیا تھا کہ اس برگزیدہ اور کامیاب ہستی کو اعلیٰ سند عطا فرمائی جائے اور تحت سمنان سے باز آنے والے مقدس وجود کو تمام جہاں پر اقتدار عطا ہو یعنی اُس بلند و بالا سرکار سے جس کے جذبات عقیدت نے مولانا السلطان عبد اللہ میں للہیت کا جوش پیدا کیا تھا حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کے حکم کے موافق پھر مولانا السلطان عبد اللہ کا سر اقدس شاہی تاج سے مزین کیا جائے اور شاہی خلعت سے جسم مبارک کو آراستہ کیا جائے اور پیادہ پائی کے بجائے قدم قدم پر سواری مہیا کی جائے مگر تاج وہ نہ ہو جس کی زینت کا مدار اینٹ پتھر پر ہو اور لباس وہ نہ ہو جو گہنگی اور بوسیدگی سے غیر مطمئن ہو اور سواری ایسی نہ ہو جو انتظام طلب ہو بلکہ تاج نورانی اور خلعت ربانی اور سواری میں گرد نہائے انسانی ہوں چنانچہ جب مولانا السلطان عبد اللہ بیعت سے فارغ ہوئے تو حضرت شیخ ان کو ساتھ لے کر ایک حجرہ میں تشریف لے گئے۔ صرف ایک تخلیہ میں تمام نعمتوں سے مالا مال فرما دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت شیخ باہر تشریف لائے اور پھر کچھ ٹھہر کر حجرہ میں تشریف لے گئے، دیکھا تو مولانا السلطان عبد اللہ

پر عجیب و غریب کیفیت طاری تھی۔ اُسی وقت حضرت شیخ نے مولانا السلطان عبد الرحیم کا ہاتھ پکڑا اور ساتھ لے کر باہر تشریف لائے اُس وقت مولانا السلطان عبد الرحیم کا چہرہ آفتاب سے زیادہ چمک رہا تھا۔ حضرت شیخ نے آپ کو اپنے پہلو میں بٹھادیا اور خود تبرکات کے حجرہ میں تشریف لے گئے اور خرقة وغیرہ تمام تبرکات جو مشائخ کرام سے آپ کو ملتا تھا ہاتھ میں لے کر باہر تشریف لائے اور سب لوگوں سے فرمایا کہ یہ وہ تبرکات ہیں جو مجھ کو مشائخ عظام سے ملے ہیں، برسوں سے یہ سب چیزیں بطور امانت میرے پاس رکھی تھیں اب ان تبرکات کا حقدار آگیا ہے لہذا میں ان نعمتوں کو اُن کے حوالے کرتا ہوں۔ سب نے عرض کیا حضور سے بڑھ کر اس کو کون جان سکتا ہے۔ حضرت شیخ نے اُس خرقة مبارکہ کو جو حضرت سلطان المشائخ محبوب الہی نظام الدین اولیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱) نے حضرت خواجہ انبی سراج الحق والدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو عطا فرمایا اور ان سے حضرت شیخ کو ملتا تھا نیز دوسرے تمام تبرکات کو مولانا السلطان عبد الرحیم کے سپرد فرمادیا۔

اس موقع پر سلسلہ واقعات میں اس امر کا تذکرہ نامناسب نہ ہوگا کہ جس دن مولانا السلطان عبد الرحیم کو یہ تبرکات عطا ہوئے تھے ایک فقیر آیا اور مانگنے لگا مولانا السلطان عبد الرحیم کا دست جو دعطا کب سائل کو محروم پھیر سکتا تھا اسی وقت حضرت سلطان المشائخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خرقة اس فقیر کو عطا فرمادیا لوگوں نے اس پر بڑا غل مچایا کہ

۱..... حضرت سلطان المشائخ محبوب الہی نظام الدین اولیاء قدس سرہ (المتوفی ۷۲۵ھ) کی برگزیدہ شخصیت خانوادہ چشتیہ کی اشاعت و توسیع کے لئے ایک نعمت عظمیٰ تھی۔ تمام تذکرہ نگار متفق ہیں کہ حضرت سلطان المشائخ کا شمار محبوبان و مقررین بارگاہ الہی میں ہوتا ہے اور ان کے فیوض و برکات سے سارا ہندوستان مملو ہے۔ حضرت سلطان المشائخ عبد الرحیم حضرت شیخ فرید الحق والدین سنج شکر اجودنی قدس سرہ (المتوفی ۷۸۵ھ) کے خلیفہ نامدار، محرم اسرار اور محب بادقار تھے۔ (لطائف اشرفی، مراۃ الاسرار، اخبار الاخیار، نجات الانس، فوائد الفوائد، افضل الفوائد، تاریخ فیروز شاہی، تاریخ فرشتہ، صحائف اشرفی، سیر الاولیاء وغیرہ)

تبرک کی بڑی بے قدری کی اور عطیہ مشائخ کی عزت نہ کی بعضوں نے بطور شکایت حضرت شیخ سے جا کر عرض کیا کہ مولانا السلطان عبد الرحیم نے خرقہ نظامیہ کو ایک فقیر کو دے دیا اور بڑی بے پرواہی برتی ہے، شیخ نے فرمایا کہ درویش کامل کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا تم لوگ جا کر خود اُن سے پوچھو سب لوگ حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ آج شیخ نے تمام اصحاب میں صرف آپ کو منتخب فرما کر نعمات عالیہ سے مشرف فرمایا اور وہ تبرکات جس کی زیارت کے لئے ہم لوگ مشتاق رہتے تھے آپ کو عطا فرما دیا مگر آپ نے اس کا کچھ خیال نہ کیا اور خرقہ نظامیہ کو ایک فقیر کو دے ڈالا، آخر یہ آپ نے کیا کیا؟ آپ نے فرمایا کہ غالباً اتنا سمجھ لینا کسی پر دشوار نہیں ہے کہ خرقہ شیخ عین شیخ نہیں ہے بلکہ غیر شیخ ہے اور میں طالب شیخ ہوں غیر کو نہیں چاہتا۔ تم لوگوں کو غیر کی زیارت کا شوق تھا اور میں نے غیر کو دے کر یہ ظاہر کیا ہے کہ مجھے صرف عین چاہئے (۱)

مصرعہ : فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

اس جواب سے لوگ ساکت ہو گئے اور راہ طلب میں اعلیٰ جذبہ کو سب نے محسوس کیا۔ غرض حضرت شیخ نے تمام تبرکات مولانا السلطان عبد الرحیم کو مرحمت فرمائیے اور مولانا السلطان عبد الرحیم اس کے بعد خدمت شیخ کے لئے کمر بستہ ہو گئے۔ یوں تو مولانا السلطان عبد الرحیم خدمت شیخ میں بارہ سال رہے مگر پہلی مرتبہ مسلسل چار برس (۲) تک آپ وہاں رہے اس عرصہ میں بارہا آپ نے درخواست کی کہ کوئی خدمت میرے ذمہ کی

۱..... حضرت مخدوم سمنانی علیہ الرحمۃ کے اس صالح نقطہ نظر اور فکر و بصیرت میں آج بھی ہمارے لئے بہترین تعلیم و ہدایت مضمر ہے جسے عمل میں لا کر بہت ساری پیچیدگیوں کو دور کیا جاسکتا ہے۔ خدا کرے کہ خانوادہ اشرفیہ کے افراد و بزرگان اپنے جد اعلیٰ علیہ الرحمۃ کی عظمت فکر و عمل کا صحیح احساس ہو جائے۔

۲..... لطائف اشرفیہ ج ۲ ص ۹۹ پر مذکور ہے ”در ملازمت حضرت مخدوم چہار سال کامل گذرانند“ لیکن اسی کے آگے ص ۱۰۰ پر یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ ”دیگر دو سال دریں مبالغہ رفتہ“ اس لحاظ سے پندہ شریف میں پہلا قیام چھ (۶) سال پر مشتمل ہے۔



جائے مگر حضرت شیخ نے کوئی خدمت نہ لی اور فرماتے رہے کہ فرزند اشرف! میں تم سے کون سا کام لوں جو کام تمہارے سپرد کروں گا اس کو خود حضرت ابوالعباس خواجہ خضر آ کر کریں گے۔ جس دن میں نے تم کو خرقة وغیرہ دیا تھا تو خواجہ خضر نے پہلے ہی سے آ کر تمہارے متعلق اس قدر مجھ سے کہا کہ میں کیا کہوں۔ حضرت شیخ کو اس کی بڑی تمنا تھی کہ مولانا السلطان عبداللہ کے لئے کوئی لقب تجویز فرمائیں مگر آپ کو اسی کا انتظار رہتا تھا کہ غیب سے کوئی خطاب ہو۔ مولانا السلطان عبداللہ کی آمد کے چوتھے سال ایک شب کو جو شب برات تھی حضرت شیخ اپنے وظائف و اوراد کے معمولات سے فارغ ہو کر خلوت میں تشریف فرما ہوئے اور ایک مراقبہ فرمایا یہاں تک کہ سحر کا وقت آ گیا اور درود یوار سے آواز آنے لگی کہ ”جہانگیر، جہانگیر“ آپ نے سمجھ لیا کہ یہ آسمانی خطاب عطا ہوا ہے ارشاد فرمایا کہ الحمد للہ فرزند اشرف کو خطاب جہانگیری مرحمت فرمایا گیا ہے۔ مولانا السلطان عبداللہ دوسرے حجرہ میں تھے، صبح کو جب نماز فجر کے لئے نکلے اور نماز پڑھی تو حضرت شیخ نے حسب معمول بعد نماز فجر سب سے مصافحہ فرمایا اور سب لوگ آپس میں مصافحہ کرنے لگے اُس دن جو مولانا السلطان عبداللہ سے مصافحہ کرتا تھا وہ کہتا تھا کہ خطاب جہانگیری مبارک ہو اسی وقت مولانا السلطان عبداللہ نے فرمایا:

فقط

مرا از حضرت پیر جہاں بخش خطاب آمد کہ اے اشرف جہانگیر  
کنوں گیرم جہاں معنوی را کہ فرماں آمد از شاہم جہانگیر  
اس چار برس کی خدمت شیخ کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دفعہ ۲۷ رمضان المبارک کی رات کو حضرت شیخ نے فرمایا کہ فرزند اشرف کوئی نعمت ابتدائی اور انتہائی میرے پاس نہ تھی جسے تم کو نہ دیا ہو بس سمجھ لو کہ اب میں بالکل تم کو لبریز کر کے خشک ہو گیا ہوں۔



کہتے ہیں کہ بعض سفروں میں چند درویش نما لوگوں نے خطاب جہانگیر پر چہ میگوئیاں شروع کیں اور کمال جرأت سے خود آکر اعتراض کیا کہ آپ کا لقب جہانگیر کیوں ہے، کیا آپ دنیا بھر کے اولیاء اللہ سے بڑھ کر ہیں، جو لقب کسی کو نہ ملا وہ آپ کو کیسے ملا، اس میں غرور و نخوت کی بو آتی ہے۔ آپ نے پہلے موعظہ حسنہ فرمایا اور فرمایا کہ یہ عطیہ شیخ ہے، یہ بھی سمجھا دیا کہ تم لوگ مراتب ولایت سے نا آشنا ہو کیوں اس بحث میں پڑتے ہو مگر نہ سمجھنے والے کو کوئی کیا سمجھا سکتا ہے، معترض کا جوش ٹھنڈا نہ ہوا اور زباں درازی بڑھتی گئی۔ حضرت پر جلال کا غلبہ ہوا نظر قہر ڈال کر فرمایا کہ تم اتنا سمجھنے سے عاجز ہو کہ میں جہانگیر ہوں اب میں تم کو دکھا دیتا ہوں کہ میں جہانگیر بھی ہوں اور جہانگیر بھی۔ اس ارشاد کے ساتھ ساتھ معترض و نکتہ چین کی جان نکل گئی سچ ہے (۱)

خاصمان خدا خدا نباشند لیکن زخدا جدا نباشند

### سفر ہند، تلاش خاتقاہ و مزار ظفر آباد

حضرت شیخ کی خدمت میں مخدوم صاحب علیہ السلام کو جب رہتے رہتے چار برس ہو گئے اور مرتبہ ولایت میں آپ کا درجہ بلند و بالا ہو گیا تو ایک دن حضرت شیخ نے فرمایا

۱۔..... خزینۃ الاصفیاء میں مقام واقعہ روح آباد (کچھ چھا شریف) ظاہر کیا گیا ہے اور معترض کا نام علی قلندر بتلایا ہے جو اپنے ہمراہ پانچ سوتلندروں کو لے کر حضرت مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر علیہ الرحمہ کی مجلس میں بے ادبی کے ساتھ پہنچا اور جس نے اپنی لاطائل باتوں سے حضرت مخدوم علیہ السلام کے مزاج لطیف میں تکتہ رپید کر دیا تھا۔ بیان روایت میں صاحب غوث العالم سے کوئی خاص اختلاف نہیں البتہ علی قلندر کے مرنے کے بعد صاحب خزینۃ الاصفیاء رقمطراز ہیں کہ ”غریبوازل مجلس برآمد و ہمراہیاں علی قلندر سرور پائے آنحضرت آوردہ مرید شدند“

(خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۳۷۶)

مذکورہ روایت کے تقابلی مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مختلف تذکرہ نگاروں نے اپنے مخصوص اسلوب بیان اور انداز فکر کے ساتھ روایتیں نقل کی ہیں اور ان میں کوئی معنوی تصادم یا اختلاف نہیں البتہ کوئی روایت کس تفصیل کا اجمال ہے اور کوئی کسی اجمال کی تفصیل، کسی روایت میں کم وضاحت ہے اور کسی میں نسبتاً زیادہ۔

کہ فرزند اشرف مثل مشہور ہے کہ دو شیر ایک جنگل میں اور دو تلواریں ایک میدان میں اچھی طرح نہیں رہتیں۔ اب مجھے مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے واسطے کسی مقام کو تجویز کروں جہاں تم جا کر لوگوں پر آفتاب ہدایت روشن کرو اور بے دست و پا لوگوں کی دستگیری کرو۔ تمہاری خدمت سے نادان لوگ دانا ہو جائیں اور گمراہ لوگ راہ راست پر آجائیں۔

حضرت مخدوم صاحب عبدلہ نے فرمایا کہ اے حضور وطن چھوڑ کر غریب الوطنی اختیار کی، گھر بار چھوڑ کر سفر کی کلفت کو پسند کیا، ماں، بھائی، عزیز واقارب، دوست و احباب، دھن دولت سب کو چھوڑا تو صرف اس لئے کہ حضور کے قدموں سے لگا رہونگا یہ مدعا نہ تھا کہ جس سرکار کے لئے سب کچھ چھوڑا اس کو بھی خدا نخواستہ چھوڑوں گا۔ اسی وقت یہ اشعار حضرت مخدوم صاحب عبدلہ نے فرمائے۔

(ایضاً)

کسے کز دولت توفیق یزداں	بریدہ از دیار کامرانی
کشیدہ پائے از اورنگ شاہی	در یدہ پر دہ وصل یارجانی
شراب فرقت یاراں کشیدہ	شکتہ جام عیش زندگانی
نہادہ پائے در صحرائے غربت	کشیدہ دست از قاصی ودانی
بسر بیمودہ ایں بیدائے محنت	رسیدہ در حریم یار جانی
برائے آنکہ از خاک دو پائیت	کشد چوں سرمہ در چشم عیانی
نگر دم از درت یک طرفۃ العین	جدا از خاک درگاہ جہانی
مرا از در گہ عالی خدا را	مران اے سایہ انے وجانی
منم چوں سایہ و تو ہجو شخصے	چرا ایں سایہ را از شخص رانی
نگردد ظل من از شخص ممتاز	گردش از تنج صد یارم برانی
بدرگاہ تو اشرف گر بود خاک	بہ از جشیدی و کنجروانی

حضرت شیخ نے مخدوم صاحب عبد اللہ کے اس اصرار کو ملاحظہ فرمایا تو ارشاد کیا کہ فرزند اشرف! یہ کون کہتا ہے کہ تم مجھ سے علیحدہ ہو جاؤ میں خود تم کو کسی حالت میں نہیں چھوڑ سکتا مگر غلطی آٹکھوں سے اوجھل رہنے میں اللہ تعالیٰ کی مصلحت ہے اس کی حکمت سے تم خبردار نہیں ہو مگر میرا کہنا تم کو مان لینا چاہئے۔ مخدوم صاحب عبد اللہ نے جب یہ سنا تو زیادہ اصرار کو بیجا خیال فرمایا اور مجبور ہو کر سر تسلیم جھکا دیا۔ حضرت شیخ کا منشا تھا کہ آپ کو اطراف جو پور کی طرف بھیجیں چنانچہ طے فرمایا کہ رمضان شریف تو پنڈوہ شریف ہی میں گزرے اور عید کے دن سفر ہو۔ چنانچہ جب عید آئی تو حضرت شیخ نے طرح طرح کے لباس آپ کو پہنائے اور نقارہ و علم وغیرہ ساتھ کر دیا۔ آبادی کی آبادی اس منظر کو دیکھنے کے لئے ٹوٹ پڑی اور قیامت کا نقشہ کھینچ گیا۔ حضرت شیخ نے جب سامنے آ کر کلمات رخصت فرمائے تو حضرت مخدوم صاحب عبد اللہ نے عرض کیا کہ حضور مجھ کو جو پور بھیج رہے ہیں اور وہاں ایک شیر بھی (۱) رہتا ہے حضرت شیخ نے فوراً مراقبہ فرمایا اور اتنی دیر ہوئی کہ گویا شیر کو پکڑ کر جنگل سے لے آئے پھر سر کو بلند فرما کر ارشاد فرمایا کہ فرزند اشرف تم اس شیر سے نہ ڈرو وہاں تم کو ایک ایسا بچہ (۲) ملے گا جو شیر کے لئے کافی ہوگا اور مقام ظفر آباد میں تم کو پہلی فتح حاصل ہوگی اس کے بعد مخدوم صاحب عبد اللہ جو پور کی طرف چل دیئے۔ حضرت شیخ نے کسی قدر مشایعت فرمائی پھر ایک جگہ نشست فرمائی اور مخدوم صاحب عبد اللہ سفر کے لئے چل کھڑے ہوئے۔ آپ کے ساتھ اونٹ، گھوڑے سواری کے لئے بہت زیادہ تھے چلتے چلتے آپ کا دوبارہ قصہ منیر شریف میں گذر ہوا، بعض محققین کا خیال ہے کہ منیر شریف میں یہ پہلی آمد تھی اور اسی آمد میں حضرت مخدوم الملک عبد اللہ

۱..... یہ اشارہ حضرت مخدوم شیخ عبدالدین چراغ ہند عبد اللہ کی جانب ہے۔

۲..... اس کے مشابہ حضرت شیخ کبیر سرور پوری ہیں۔



کے جنازے کی شرکت فرما کر نماز میں امامت فرمائی تھی اور تبرکات و خرقة حاصل فرمایا تھا بہر حال اس قصبہ میں شیخ ثمن از ولی ایک صاحب تھے انھوں نے آپ کے سامان سفر کی شوکت کو دیکھ کر دل میں خیال کیا کہ درویشوں کو ان سوار یوں کی کیا ضرورت ہے، حضرت مخدوم صاحب رحمہ اللہ کو اس دلی خطرہ سے خبر ہو گئی فرمایا کہ یہاں میں نے ان جانوروں کے باندھنے کی کیل کو زمین میں پیوست کیا ہے اپنے دل میں نہیں کیا ہے اور حضرت ابوسعید ابوالخیر کا یہ قطعہ پڑھا۔

غرض از حاصل کار راست ای یار      بہر نوحے کہ ظاہر ہست گوباش  
بہر کس نیست لازم راہ تجرید      چو او آں تو شد تو آن او باش

غرض یوں ہی سفر کرتے اور گرم و سرد زمانہ ملاحظہ فرماتے ہوئے آپ کا قافلہ ظفر آباد (متصل جو پور) پہونچا۔ (۱) ساتھیوں نے عرض کیا کہ قیام کہاں فرمائیے

۱..... ظفر آباد پہونچنے سے قبل حضرت مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سنائی قدس سرہ نے قصبہ محمد آباد گہنہ میں جواب طبع اعظم گڑھ میں ہے، قیام فرمایا تھا، وہاں یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت مخدوم سنائی علیہ الرحمہ کی ایک کتاب ”مناقب اصحاب کالمین و مراتب خلفاء راشدین“ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مناقب نسبتاً زیادہ تھے۔ چنانچہ مقامی علماء معترض ہوئے اور حضرت پر رخص کا الزام لگایا۔ حضرت مخدوم سنائی علیہ الرحمہ نے افہام و تفہیم کی ہر ممکن صورت اختیار فرمائی لیکن قاضی احمد جو علماء معترضین کے صدر تھے، مفاہمت کے لئے راضی نہ ہوئے اور نوبت یہاں تک پہونچی کہ حضرت مخدوم علیہ الرحمہ کے خاٹمی ہونے پر فتویٰ صادر کر دیا جائے۔ مخالف علماء نے دوسرے دن جامع مسجد میں نماز جمعہ کے بعد حضرت سے تعرض کرنے کا پروگرام بنایا اور جب یہ خبر حضرت مخدوم علیہ الرحمہ کو ملی تو بے حد آزرہ خاطر ہوئے۔ دوسرے دن جب جمعہ کا وقت آیا تو طوفان نوح والی بارش ہونے لگی، لہذا کوئی شخص جامع مسجد نہ پہونچ سکا۔ اسی اثناء میں علمائے معترضین کی جماعت میں بھی تفرقہ پڑ گیا اور سید خاں نامی ایک فاضل و دانشمند نے اپنی غیر معمولی ذکاوت اور فہم و فراست سے علماء کے سارے اعتراضات کی دجھیاں اڑا دیں اور جامع العلوم کی اس عبارت ”الناس ابناء الدنيا ولا يلا امر الرجل على حب ابويه وحبهما“ سے استدلال کرتے ہوئے انہوں نے ایک سید کو مناقب علی علیہ السلام کا جائز حقد اقرار دے کر علمائے معترضین کو دم بخود بنادیا۔ اس طرز عمل سے حضرت مخدوم علیہ الرحمہ بہت مسرور ہوئے اور سید خاں نیز ان کی اولاد کے لئے دعائیں فرمائیں (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو لطائف اشرفی ج ۱ ص ۱۸-۱۹ اور خزینۃ الاصغیا)



گا۔ ارشاد فرمایا کہ معمول کے موافق مسجد میں چل کر ٹھہرو چنانچہ ظفر خاں کی مسجد میں سب لوگ اترے، سامان کو اتار کر مسجد میں رکھا اور جانوروں کو صحن مسجد میں لاکر باندھ دیا گیا۔ لوگوں نے اس نئی بات کو دیکھ کر بڑا غل مچایا اور کہنے لگے کہ عجیب درویش ہیں کہ پڑھے لکھے ہو کر جانوروں کو مسجد میں باندھ رکھا ہے۔

دو تین طالب علموں کو شوخی سوچھی اور تیار ہوئے کہ آپ سے آکر اس بارے میں گفتگو کریں جب حاضر خدمت ہوئے تو تھوڑی دیر چپ بیٹھے رہے۔ کیا دیکھا کہ سواری نے حضرت مخدوم صاحب رحمہ اللہ کی طرف کچھ اشارہ کیا آپ نے فرمایا کہ اس کو باہر لے جاؤ یہ پیشاب کرنا چاہتا ہے اتنے میں دوسرے گھوڑے نے کچھ اشارہ کیا فرمایا کہ اس کو بھی باہر لے جاؤ یہ لید کرے گا اسی طرح چند جانور باہر گئے اور فارغ ہوئے۔ آپ نے طالب علموں سے فرمایا کہ مسجد میں جانوروں کے آنے کی ممانعت اسی لئے تو ہے کہ مسجد میں کثافت نہ پھیلائیں اور ہمارے جانور اس عیب سے پاک ہیں لہذا شرط مفقود ہے پھر بھی ادب یہی ہے کہ مسجد میں جانور نہ رکھیں مگر مشکل یہ ہے کہ ہم لوگ مسافر ہیں اپنے جانوروں کی نگرانی سے معذور ہیں اسی لئے سامنے باندھ لیا ہے امید ہے تم لوگ بھی ہمارے عذر کو خیال کرو گے۔

طالب علموں نے یہ دیکھ سن کر واپسی کو مناسب خیال کیا اور لوٹ آئے۔ اسی ظفر آباد میں یہ ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا کہ بھانڈوں نے براہِ تسخر ایک جنازہ بنایا اور ایک بھانڈ کو اس میں لٹا کر سمجھا دیا کہ جنازہ حضرت مخدوم صاحب رحمہ اللہ کے پاس لے چلتا ہوں جب وہ نماز پڑھنے کھڑے ہوں اور اللہ اکبر کہیں تو نکل کر ہنسوتا کہ ہم سب لوگ مصحکہ اڑائیں۔ بھانڈوں میں یہ جرات بد قسمتی سے خود پیدا ہوئی تھی یا در پردہ کسی

نے شدی تھی اس کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے بہر حال مصنوعی جنازہ لئے وہ لوگ حضرت مخدوم صاحب عہدہ (رحمہ) کے پاس روتے ہوئے آئے اور عرض کیا کہ حضور جنازہ حاضر ہے نماز پڑھا دیجئے آپ نے اپنے ایک ہمراہی سے فرمایا کہ اجازت لے کر نماز پڑھا دو انھوں نے وارث سے تین مرتبہ اجازت لی اور جنازہ کی نماز شروع کر دی، بھانڈوں کو انتظار رہا کہ اب مصنوعی مردہ نکل کر ٹھٹھا مارتا ہے اور وہاں اللہ اکبر کہتے ہی مصنوعی مردہ واقعی مردہ ہو گیا۔ نماز ختم ہو گئی تو مخدوم صاحب عہدہ (رحمہ) کے ہمراہی نے فرمایا کہ جنازہ لے جاؤ اور مردہ کو دفن کرو دیکھا تو واقعی اس کو مردہ پایا اور اس واقعہ کا تمام شہر میں شہرہ ہو گیا لوگ جوق در جوق دربار میں آنے لگے اور چھوٹا بڑا قد مبوسی پر ٹوٹا پڑتا تھا۔ (۱) اس غیر معمولی شوکت دربار کو حضرت چراغ ہند عہدہ (رحمہ) نے اچھی نظر سے نہ دیکھا، پھر دوسرا واقعہ یہ ہوا کہ قصبہ سرور پور کے ایک بزرگ حضرت شیخ کبیر (رحمہ) نے فراغت علمی کے بعد

۱..... خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۳۷۷ میں معارج الولایت کے حوالے سے مذکورہ بالا حکایت درج ہے اور بیان واقعہ میں بری حد تک مماثلت اور یکسانیت ہے لیکن اس عبارت ”و خدام رانیز ہمراہ خود گرفتہ بر سر جنازہ تشریف آورد و خود امام شدہ تکبیر نماز گفت بحر دیکبیر حضرت میر ملک الموت روح آں شریہ قبض کرد“ سے یہ فرق بھی واضح ہوتا ہے کہ خود حضرت مخدوم عہدہ (رحمہ) ہی نے نماز جنازہ پڑھائی تھی اور اس خاص عمل میں حضرت کے کسی خادم یا ہمراہی کا کوئی دخل نہ تھا۔

۲..... حضرت مخدوم شیخ عبدالدین چراغ ہند علیہ الرحمہ، حضرت شیخ رکن الدین ابوالفتح ملتانی عہدہ (رحمہ) (المتوفی ۳۵۷ھ) کے مرید و خلیفہ تھے۔ حضرت چراغ ہند عہدہ (رحمہ) نے اپنے پیر مرشد کے حکم سے ظفر آباد میں سکونت اختیار فرمائی اور ایک عرصے تک مجاہدے و مکاشفے میں مصروف رہے۔ بقول صاحب خزینۃ الاصفیاء ”صاحب مقامات بلند و کرامات ارجمند بود“ بلاشبہ آپ کی متعدد کرامتوں نے صد امانتوں کے قلوب کی تسخیر کی اور ہزاروں بندگان خدا راہ راست پر آگئے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ شیراز ہند جون پور ص ۹۳۵ تا ۹۴۹)

۳..... حضرت شیخ کبیر سرور پوری عہدہ (رحمہ) (خزینۃ الاصفیاء میں سرہر پوری لکھا ہے جو صحیح نہیں) حضرت مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سنائی عہدہ (رحمہ) کے چہیتے مرید اور خلیفہ تھے۔ لطائف اشرفی ج ۱ ص ۱۳ میں ہے کہ ”حضرت شیخ کبیر سرور پوری کما زخلص اصحاب و مکمل خلفاء ولایت مآب حضرت قدوۃ الکبری (یعنی حضرت مخدوم سنائی عہدہ (رحمہ) اند“ حضرت شیخ کبیر عہدہ (رحمہ) شہر کے امراء نامدار میں شمار کئے جاتے تھے اور اسی کے ساتھ علوم ظاہری کی دولت سے بھی بھر پور تھے۔ (خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۳۷۷، لطائف اشرفی ج ۲ ص ۱۰۲)

راہ طلب و سلوک کی جستجو شروع کر دی تھی اور ہمیشہ مرشد کامل اور رہبر برحق کی تلاش میں رہتے تھے ایک رات کو خواب دیکھا تھا کہ نورانی بزرگ جن کے سرخ بال ہیں آئے ہیں اور مرید کر لیا ہے صبح کو اٹھ کر خیال کیا کہ اس ملک پر حضرت چراغ ہند عبد اللہ کی ولایت کا اثر ہے ممکن ہے کہ رات کو خواب میں انھیں کا جلوہ دیکھا ہو چنانچہ شیخ کبیر ظفر آباد کو چل کھڑے ہوئے اور حضرت چراغ ہند عبد اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے مگر جو شکل خواب میں دیکھی تھی اُس کو نہ پایا چنانچہ اسی فکر اور سوچ میں کچھ دنوں ظفر آباد میں ٹھہر گئے یہی زمانہ تھا جب کہ حضرت مخدوم صاحب عبد اللہ کا آوازہ ظفر آباد میں بلند ہو رہا تھا اور گلی گلی، کوچہ کوچہ آپ کے ذکر مقدس سے گونج رہا تھا آپ اکثر مسجد ظفر خاں میں ساتھیوں سے فرماتے رہتے تھے کہ ایک دوست کی مہک دماغ میں آرہی ہے مگر وہ آنے میں جلدی نہیں کرتے، لوگوں کے غیر معمولی رجحان کو دیکھ کر شیخ کبیر عبد اللہ کے دل میں آئی کہ ان مسافر درویش کی زیارت کرنی چاہئے چنانچہ وہ مسجد ظفر خاں کو چلے۔

حضرت مخدوم صاحب عبد اللہ نماز اشراق پڑھ کر ساتھیوں میں تشریف فرما تھے ابھی شیخ کبیر عبد اللہ دور ہی سے دکھائی پڑے تھے کہ آپ نے فرمایا کہ جس دوست کے بارے میں تم لوگوں سے میں کہا کرتا تھا وہ آگیا خادم نے اُن کے پہونچنے سے پہلے ہی روٹی اور شربت تیار کر کے رکھ لیا۔

شیخ کبیر عبد اللہ نے کسی قدر فاصلہ سے ہی حضرت مخدوم عبد اللہ کے جمال حق نما کو دیکھ کر پڑھا کہ اِنِّیْ وَجْهْتُ وَجْهَیْ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اور قدم مبارک پر اپنا سر ڈال کر عرض کیا: مضرع یار در خانہ ومن گرد جہاں میگردم اور فوراً مرید ہوئے حضرت مخدوم عبد اللہ نے اُن کو داخل سلسلہ فرمایا اور دست



مبارک سے نان و شربت کھلایا پلایا اور انہوں نے فی البدیہہ یہ فرمایا:  
فعلہ

اگر چہ خضر ساں در راہ وصلت      عنان را در رہ ظلمات خوردیم  
ولے بعد از چشیدن آب ہر جا      کنوں بر آب حیواں راہ بردیم

بیعت و ارادت کے بعد حضرت شیخ کبیر عہدہ (۱۲۸۰) نے حاضرین سے مصافحہ کیا سب نے ان کو مبارکباد دی۔ اس واقعہ کی خبر گلی گلی پھیل گئی جب اس کو حضرت چراغ ہند عہدہ (۱۲۸۰) نے سنا تو پسند نہ کیا کہ جو شخص کل میرے پاس مرید ہونے آیا تھا وہ آج وہاں جا کر داخل سلسلہ ہو گیا بشریت کے تقاضے سے شیخ کبیر عہدہ (۱۲۸۰) کی جانب سے کشیدگی دل میں آگئی اور حالت جلال میں فرمادیا کہ کبیر جوانی ہی میں مر جائے گا۔ حضرت شیخ کبیر کو اسی وقت معلوم ہو گیا کہ حضرت چراغ ہند عہدہ (۱۲۸۰) جلال فرما رہے ہیں، خود حضرت مخدوم صاحب عہدہ (۱۲۸۰) کو اس حالت کی اطلاع ہو گئی فرمایا کہ فرزند کبیر! تم کچھ نہ ڈرو کہ کبیر و ضعیف ہو کر تم مرو گے ہاں تم جو کہہ دو گے اُس میں وہ خود مبتلا ہوں گے۔ حضرت کبیر عہدہ (۱۲۸۰) نے عاجزانہ عرض کیا کہ میں اُن کو کیا کہوں بس جو کچھ انہوں نے مجھ کو کہا ہے وہی اُن کو نصیب ہو۔ مخدوم صاحب عہدہ (۱۲۸۰) نے شیخ کبیر کے اس ادب کو پسند فرمایا اور فرمایا کہ مشیت الہی واقع ہو چکی چنانچہ دونوں کا کہا پورا ہوا۔ شیخ کبیر پچیس (۲۵) برس کی عمر میں بوڑھوں کی طرح ہو گئے اور پیر و ضعیفی کے آثار ظاہر ہو گئے اور اُن کے انتقال سے پانچ سال پہلے ہی حضرت چراغ ہند عہدہ (۱۲۸۰) کا چراغ ہدایت گل ہو گیا۔

القصہ حضرت چراغ ہند عہدہ (۱۲۸۰) کی کشیدگی بڑھتی گئی اور بالآخر وہ آمادہ ہوئے کہ زور تصرف سے سب کو دبا دیں۔ حضرت مخدوم صاحب عہدہ (۱۲۸۰) مسجد میں ساتھیوں کے ساتھ بیٹھے تھے کہ ایک بارگی معلوم ہوا کہ مجلس میں آگ بھڑک اٹھی ہے، پہلے تو لوگوں نے



برداشت کیا آخر جب تاب نہ رہی تو ایک ایک کر کے سب مسجد سے نکل پڑے۔ حضرت مخدوم صاحب عبد اللہ نے تبسم فرمایا اور کہا کہ یہ تو صرف چراغ کی گرمی ہے جس کو ٹھنڈا کر دینا بالکل آسان ہے، سامنے لوٹا رکھا تھا فرمایا کہ تھوڑا سا پانی لے کر چھینٹا دے دو چراغ بجھ جائے گا۔ یہاں پانی کا چھڑکنا تھا کہ حضرت حاجی چراغ ہند عبد اللہ پانی میں ڈوب گئے اور بڑی مصیبت اٹھائی اور بزرگوں کی روحانیت سے فریاد کرنے لگے یہاں تک کہ مرتبہ بہ مرتبہ حضور اقدس ﷺ کی جانب متوجہ ہوئے۔ وہاں سے فرمان صادر ہوا کہ ایک تمہارا نو مہمان دوسرے میرا فرزند تھا تم نے خود اچھا سلوک نہیں کیا، تم جا کر اُن سے معافی مانگو اور ارواح طیبہ بزرگان نے آکر حضرت مخدوم صاحب عبد اللہ سے اس واقعہ کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے یہاں رہنا سہنا نہیں ہے نہ مجھ کو حضرت چراغ ہند عبد اللہ سے کوئی تعصب ہے البتہ انہوں نے حملہ کیا اور ہم بچتے رہے، ارواح پاک نے سفارش کی کہ اب اُن کی غلطی سے باز آؤ اور بالفعل دریائے گونتی سے ادھر کا حصہ اُن کے لئے رہنے دو غرض اس گفتگو پر صلح ہو گئی اور حضرت چراغ ہند عبد اللہ کا دل بالکل صاف ہو گیا چنانچہ وہ اکثر حضرت مخدوم صاحب عبد اللہ کے پاس آنے لگے اور خود حضرت مخدوم صاحب عبد اللہ بھی اُن کی خانقاہ میں جانے لگے۔ ایک دوسرے کو دعوتِ طعام بھی دینے لگے اور گزشتہ واقعات بالکل فراموش ہو گئے۔ سچ ہے اچھوں کے سینے آئینے ہوتے ہیں جس میں کچھ بھی زنگ آیا تو صیقل سے بالکل جاتا رہا۔

## جونپور

ظفر آباد سے نکل کر حضرت مخدوم صاحب عبد اللہ جونپور پہونچے اور وہاں

سلطان ابراہیم (۱) شرقی کی مشہور و معروف مسجد میں قیام فرمایا جس کے شمال جانب اب تک آپ کا چلہ خانہ موجود ہے آپ کا حال سن کر سلطان کو قد مبوسی کا بے حد شوق ہوا۔ درباریوں سے سلطان نے کہا کہ میں حضرت مخدوم صاحب علیہ (رحمہ) کی زیارت کا مشتاق ہوں اس وقت ملک العلماء حضرت قاضی شہاب الدین دولت آبادی (۲) موجود تھے فرمایا کہ نو وارد بزرگ کے متعلق میں نے سنا ہے کہ سادات کرام سے ہیں اور ولی کامل ہیں

۱..... سلطان ابراہیم شرقی (المتوفی ۸۳۶ھ) خاندان شرقیہ کا مشہور اور اولوالعزم بادشاہ تھا۔ اس نے اپنے ۳۴ سالہ دور حکومت میں ملکی انتظام و انصرام اور فتوحات کا سلسلہ اتنا وسیع کیا کہ دہلی کی مرکزیت حیززل ہو گئی تھی۔ علاوہ ازیں اس کی معدلت گستری، علم پروری، جود و سخا اور دینی بیداری نے دو اختلافہ جوہور کی شوکت و سطوت کو آسمان پر پہنچا دیا تھا۔ سلطان ابراہیم ہی کے عہد میں مشائخ، علماء، فضلاء، حکماء اور ماہرین فنون کی کثرت آمد سے ہر وقت میلہ لگا رہتا تھا۔ (ملاحظہ ہو تاریخ شیراز ہند جو پورص ۱۳۲۹ء)

سلطان ابراہیم، حضرت سید جلال مخدوم جہانیاں جہاں گشت علیہ (رحمہ) کا مرید تھا اور شاید اسی لئے وہ مشائخ اور علماء کا بے حد ادب و احترام اور ان کے منصب کے مطابق اعزاز کرتا تھا۔ چنانچہ حضرت مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی علیہ الرحمۃ سے اسے بے پناہ عقیدت و نیاز مندی تھی اور اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ بعض شاہزادوں نے حضرت مخدوم علیہ (رحمہ) کے دست حق پر بیعت حاصل کی۔ مکتوبات اشرفی کے مطالعے سے حضرت مخدوم علیہ (رحمہ) اور سلطان ابراہیم دونوں کے تعلق خاطر کا اندازہ ہوتا ہے۔

۲..... حضرت ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی علیہ (رحمہ) (المتوفی ۸۳۸ھ) اپنے وقت کے عالم جلیل اور فاضل بے عدیل تھے۔ سلطان ابراہیم شرقی، حضرت ملک العلماء کے علمی جلال و کمال سے اس قدر متاثر تھا کہ عہدہ قضاۃ کو ان کے سپرد کر دیا اور انتظامی معاملات میں ان کے گریں قدر مشوروں کا محتاج بننا گیا۔ ایک روایت ہے کہ حضرت ملک العلماء علیہ (رحمہ) سخت علیل ہو گئے اور امید زیت منقطع ہونے لگی تو سلطان ابراہیم نے جوش عقیدت اور فرط محبت میں حضرت ملک العلماء علیہ (رحمہ) کے سر سے نچھاور کر کے ایک پیالہ پانی پی لیا اور دعا مانگی کہ اے پروردگار عالم! ملک العلماء علیہ (رحمہ) کو شفا کا ملہ عطا فرما اور ان کے بدلے میں مجھے مریض بنا دے۔ سلطان کی دعا بارگاہ صمدیت میں قبول ہوئی اور ملک العلماء علیہ (رحمہ) کی وفات کے دو سال قبل ہی (۸۳۶ھ) میں سلطان ابراہیم کا انتقال ہو گیا۔ (ملاحظہ ہو تاریخ شیراز ہند جون پورص ۱۱۸۲ء)

حضرت ملک العلماء علیہ (رحمہ) کی شہرت، مقبولیت اور علمی جاہ و جلال کا اعتراف تمام تذکرہ نگاروں کو صاحب اخبار الاخبار فرماتے ہیں کہ ”اگر حد در زمان او دانشمندان بودہ اند کہ استادان و شریکان او بودہ اما شہرت





ہے۔ قاضی صاحب نے بھی آداب حاضری کا بڑا لحاظ کیا اور محافہ سے دور ہی اتر پڑے اور ساتھ کے مولویوں سے کہہ دیا کہ دیکھو وہاں جا کر اپنی مولویت کا بھرم نہ دکھانا اور چپ رہنا کیونکہ جس سید کی سرکار میں جاتے ہو اُن کی پیشانی سے ولایت کی چمک ظاہر ہوتی ہے، اس طرح سمجھا بجھا کر حضرت مخدوم صاحب علیہ السلام کے پاس آئے اور برجستہ یہ قطعہ پڑھا۔

قطعہ

چہ خورشید است تاباں از جبینش کہ خورشید فلک زو ذرہ گردد  
بگوہر سید است دریائے امواج کہ دریائے جہاں چوں قطرہ گردد

حضرت مخدوم صاحب علیہ السلام نے بھی قاضی صاحب کا چند قدم استقبال فرمایا اور ملاقات کی۔ قاضی صاحب نے مولوی صاحبان کو تو بہت کچھ سمجھا بجھا دیا تھا کہ درویشوں سے حجت نہ کرنا اور اپنی قابلیت مت جتنا مگر ان مولویوں کا یہ حال تھا کہ کروٹیں بدلتے تھے اور بار بار کچھ کہنا چاہتے لیکن قاضی صاحب کے ڈر سے رُک رُک جاتے تھے۔ حضرت مخدوم صاحب علیہ السلام کی محفل میں حضرت شیخ ابوالوفا خوارزمی علیہ السلام (۱) موجود تھے اُن کو مولوی صاحبان کی بیہکلی کا حال بطور کشف معلوم ہو گیا۔ اُن کے دل میں جن جن علوم میں جو جو شبہ تھے سب کو ایسا حل فرما دیا کہ مولوی صاحب کی ایک بات بھی نہ چلی۔ قاضی صاحب نے خود شیخ خوارزمی علیہ السلام کو داد دی۔ مولوی صاحبان کی بحث جب ختم ہو چکی اور دل کی بھڑاس نکل گئی تو حضرت قاضی نے حضرت مخدوم صاحب علیہ السلام سے عرض کیا کہ آج سلطان المعظم شرف قد مبوسی کے لئے حاضر ہونے والے تھے مگر

(۱) حضرت شیخ ابوالوفا خوارزمی علیہ السلام (المتوفی ۸۳۵ھ) سیاح دشت علم و معرفت تھے۔ آپ نے مختلف مقامات کی سیر کی اور آخر میں حضرت مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سنائی علیہ السلام کے عقیدت کیش بن کر خلافت حاصل کی۔ ان کی حاضر جوابی، زود گوئی، اور شکمانہ طرز گفتگو سے حضرت مخدوم علیہ السلام بہت محظوظ ہوتے تھے۔ (لطائف اشرفی ج اول ص ۵۱، نجات الانس ص ۳۸۸)



شرف تقدم زیارت حاصل کرنے کے لئے میں نے آج اُن کو روک دیا ہے۔ وہ کل حاضر ہوں گے اور میں بھی رہوں گا۔ حضرت مخدوم صاحب عبید اللہؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک آپ سلطان سے کہیں زیادہ بہتر ہیں اگر سلطان آئیں گے تو آئیں وہ حاکم ہیں۔ حضرت قاضی کے جانے کے بعد حضرت مخدوم صاحب عبید اللہؒ نے فرمایا کہ ہندوستان میں ایسا عالم میں نے کم دیکھا ہے۔

دوسرے دن حضرت مخدوم صاحب عبید اللہؒ وظائف معمولہ سے فارغ ہو چکے تھے کہ شاہی سواری کی آمد کا اثر ظاہر ہونے لگا کہ سلطان المعظم مع شہزادگان و فوج و سپاہ کے آرہے ہیں۔ مسجد کے دروازے پر پہونچکر قاضی شہاب الدین عبید اللہؒ نے رائے دی کہ اس مجمع کے ساتھ دربار ولایت میں جانا ٹھیک نہیں ہے مبادا آدمیوں کی کثرت سے حضرت مخدوم صاحب عبید اللہؒ کو تکلیف پہونچے۔ سلطان المعظم نے اس کو مناسب خیال کیا چنانچہ سواری سے اتر کر شاہی خاندان اور علماء سلطنت سے منتخب کر کے کل بیس (۲۰) آدمی لے کر حاضر ہوئے اور کچھ ایسا دربار کا ادب کیا کہ حضرت مخدوم صاحب عبید اللہؒ کو پسند آ گیا۔ انھیں دنوں میں سلطان المعظم نے قلعہ جنادہ پر قبضہ کرنے کے لئے اسلامی فوج کو روانہ کیا تھا اور ہر وقت اسی کا تردد رہا کرتا تھا۔ دل ہی دل میں سوچا کہ کاش حضرت مخدوم صاحب عبید اللہؒ کی ولایت سے مدد ملتی اور زبان سے صرف ایک قطعہ پڑھ دیا کہ

وَلے کان انور است از جام جمشید رواں روشن تراز خورشید باشد

چہ حاجت عرض کردن بر ضمیرش کسے کورا یقین امید باشد

حضرت مخدوم صاحب عبید اللہؒ کو سلطان المعظم کے دل کا حال معلوم ہو چکا تھا

سلطان کی خوش اعتقادی سے حضور بہت متاثر ہوئے اور فرمایا: بیت

گر بنقین شد قدمت استوار      گرد زر یا نم از آتش برآر

اگر تم حسن عقیدت سے کام لو گے تو قلعہ فتح کرنا کیا چیز ہے، دریا سے غبار اڑا سکتے ہو اور آگ سے تری نکال سکتے ہو۔ سلطان المعظم کو اس پیشن گوئی پر پورا اطمینان ہو گیا جو رخصت ہونے لگے تو سمنان کا ایک مسند ہمراہ تھا وہ سلطان کو عطا فرمادیا۔ سلطان خوش خوش دربار شاہی میں پہونچے اور تخت سلطنت پر بیٹھ کر کہا کہ واقعی جیسا سنا تھا اُس سے بڑھ کر پایا خدا کا شکر ہے کہ ہندوستان میں ایسے بزرگوں کے قدم آئے۔ تین دن کے بعد سلطان پھر کچھ لوگوں کو ساتھ لے کر حاضر ہوئے خادموں نے کچھ کھانے پینے کا سامان کیا تھا اور کھانے والے ہی تھے کہ قلعہ جنادہ سے خط آ گیا کہ قلعہ فتح ہو گیا لوگوں نے سلطان المعظم کو مبارکباد دی۔ سلطان نے فرمایا کہ مبارکباد حضرت مخدوم صاحب عبدہ (رحمہ) کو جنہوں نے اپنے بازوئے ہمت سے فتح یاب فرمایا ہے اب سلطان کا عقیدہ پہلے سے ہزار گنا بڑھ گیا۔ عرض کیا کہ حضور میں تو حضرت میر (۱) کا مرید ہو چکا ہوں مگر حضور کے جتنے بندہ زادے ہیں وہ دست اقدس ہی پر بیعت کریں چنانچہ دو تین شاہزادے اُسی دن داخل سلسلہ اشرفیہ ہوئے۔ سلطان نے بہت کچھ چاہا کہ کوئی بڑی نذر حضرت قبول فرمالیں مگر حضرت مخدوم صاحب عبدہ (رحمہ) نے اس کو قبول نہ فرمایا اب سلطان کی آخری خواہش یہ ہوئی کہ حضرت مخدوم صاحب عبدہ (رحمہ) جو نیورہی میں ہمیشہ مقیم رہیں آپ نے فرمایا کہ یہ تو ناممکن ہے مگر ہاں تمہاری سلطنت سے باہر گھر نہ بناؤں گا سلطان ابراہیم نے اسی کو اپنے لئے نعمت عظمیٰ سمجھا۔

جو پور میں حضرت مخدوم صاحب رحمہ اللہ کو رہتے رہتے دو مہینے گزر گئے، حضرت قاضی شہاب الدین رحمہ اللہ کی عقیدت اتنی بڑھ گئی کہ اگر روز نہیں تو دوسرے تیسرے دن ضرور حاضر ہوتے اور اپنی تصنیف کردہ کتابیں سنا کر تصدیق حاصل کرتے۔ آپ نے بہت سی کتابوں کی تعریف فرمائی، علم نحو میں کتاب ارشاد کو بہت پسند کیا اور ارشاد فرمایا کہ ہندوستان کے جادو کو جو لوگ کہتے ہیں وہ یہی ہے، علم بیان میں بدیع البیان اور فن تفسیر میں بحر مواج کو فرمایا کہ طول تحریر کا ان میں بڑا دخل ہے۔ فن شاعری میں جامع الصنائع جب پیش کیا تو حضرت مخدوم صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ قاضی صاحب نے شعر و شاعری میں دخل دیا ہے، اُس وقت شیخ واحدی موجود تھے حضرت مخدوم صاحب رحمہ اللہ کی شان میں جو قصیدہ لکھا تھا پڑھ کر سنایا حضرت نے دونوں کو ہنستے ہوئے دیکھا اور متبسم انداز میں قاضی صاحب سے فرمایا کہ آپ نے سارے علوم تو حاصل ہی کر لئے ہیں فارسی تو شیخ واحدی (۱) کے لئے چھوڑ دیجئے۔ شیخ واحدی نے حضرت قاضی سے کہا کہ

فعلہ

لشکر علم تو بہ تیغ بیاں از عجم تا عرب گرفتہ دیار  
چوں گرفتہ عراق عربیت فارسی را بو احدی بگذار

کہتے ہیں کہ اس دوبارہ جو پور آنے پر حضرت مخدوم صاحب رحمہ اللہ نے قاضی صاحب کو لباس خرقة اور کتاب ہدایہ جو سمنان کی یادگار تھی عطا فرمایا تھا۔ ایک دن سب چھوٹے بڑے جمع تھے حضرت مخدوم صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بس اب جو پور سے چلو

۱۔ حضرت شیخ واحدی، حضرت مخدوم سمنانی رحمہ اللہ کے خاص خادم اور حلقہ بگوش تھے۔ انہیں فارسی زبان میں پوری مہارت تھی اور بڑی برجستہ طبیعت پائی تھی۔ شعر گوئی کی طرف ان کا رجحان زیادہ تھا اور زود کلامی میں وہ اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ (لٹائف اشرفی)

اور وہاں جلد پہونچو جہاں کے لئے حضرت پیر و مرشد نے حکم دیا ہے۔ واقعہ یوں گذرا تھا کہ پنڈوہ شریف میں صبح کے وقت حضرت شیخ اور حضرت مخدوم صاحب رحمہ اللہ بیٹھے ہوئے تھے، معرفت کی باتیں ہو رہی تھیں کہ یکبارگی حضرت شیخ فرمانے لگے کہ فرزند اشرف! دیکھو تمہیں اپنے مزار کی جگہ نظر آتی ہے آپ نے عرض کیا کہ حضور زیادہ دیکھنے والے ہیں۔ شیخ نے فرمایا کہ دائرہ کی شکل میں ہر طرف سے تالاب ہے اور بیچ میں خشکی تل کی طرح نظر آرہی ہے بس وہیں تمہارا مزار ہوگا۔

چنانچہ جونپور سے روانہ ہو کر حضرت مخدوم صاحب رحمہ اللہ نے موضع کر مینی (۱) میں قیام فرمایا وہاں فرمودہ شیخ کے موافق زمین معلوم ہوئی، دو تین روز وہاں قیام رہا جب خود حضرت مخدوم صاحب رحمہ اللہ نے بذات خاص موضع کی سیر فرمائی اور حوض و تالاب سب دیکھا تو آپ کو کشف ہوا کہ یہ وہ مقام نہیں ہے جس کا پتہ حضرت شیخ نے بتایا تھا یہاں سے اب چلنا چاہئے۔

### روح آباد آستانہ کچھوچھ مقدسہ

حضرت مخدوم صاحب رحمہ اللہ کر مینی سے چل کر موضع بھڈونڈ (۲) میں تشریف لائے، موضع میں آبادی سے باہر ایک باغ تھا اس میں قافلہ اتر، قرب و جوار کے سارے آدمی سن کر زیارت کے لئے ٹوٹ پڑے، سب سے پہلے موضع زمیندار حضرت ملک محمود صاحب رحمہ اللہ (۳) نے قد مبوسی کی، حضرت مخدوم صاحب رحمہ اللہ نے ان پر بہت زیادہ

۱۔ یہ موضع، کچھوچھ شریف سے ۲-۳ میل جنوب میں واقع ہے اور آج بھی وہاں کی جھیل مقامی لوگوں کی تفریح گاہ ہے۔

۲۔ یہ موضع کچھوچھ شریف سے متصل ہے اور حضرت ملک محمود علیہ الرحمۃ کی اولاد یہاں آباد ہے۔

۳۔ حضرت مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی رحمہ اللہ کے مریدان صادق کی فہرست میں حضرت ملک محمود رحمہ اللہ کا نام آتا ہے۔ حضرت مخدوم ازراہ شفقت انھیں ملک الامرا کے نام سے یاد فرماتے تھے۔ حضرت مخدوم سمنانی رحمہ اللہ



شفقت فرمائی، دوپہر کو قیلولہ و آرام کا وقت آیا تو ایک سایہ دار آم کے درخت کے نیچے آرام فرمایا، زوال آفتاب کے بعد وہاں دھوپ آجاتی مگر درخت کی شاخ آفتاب کے ساتھ ساتھ چلتی تھی اور پورب کی شاخ دوپہر ڈھلنے پر پچھم کی طرف آگئی اور حضرت مخدوم صاحب رحمہ اللہ پر سے سایہ نہ ہٹا آپ اٹھے اور تھوڑی دیر کے بعد ملک محمود رحمہ اللہ کو ساتھ لے کر موضع کا کنارہ ملاحظہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ میرے پیرومرشد نے مجھے یہیں کے لئے قیام کا حکم دیا ہے تمہارے نزدیک یہاں کون سی جگہ ہمارے رہنے کے لئے مناسب ہے، ملک محمود رحمہ اللہ نے عرض کیا کہ حضور یہاں ایک جوگی بڑی اچھی جگہ رہتا ہے لیکن بڑا جادوگر ہے اگر خدام بارگاہ اُس کو نکال دیں تو بہت نفیس جگہ ہاتھ لگے گی۔ آپ نے آیہ کریمہ: قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَذَهَبَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوًّا کی تلاوت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ یہی ہمارے لئے کافی ہے۔ بہر حال اُس جگہ کو دیکھ بھی لینا چاہئے۔ کچھ ہمراہیوں اور ملک محمود رحمہ اللہ کو لے کر اُس مقام پر تشریف لے گئے، دیکھتے ہی فرمایا کہ بس یہی جگہ تھی جس کو حضرت شیخ نے دکھایا تھا۔ یہاں سے ان چند بیدینوں کو نکال دینا بالکل آسان ہے ملک محمود رحمہ اللہ نے اُس وقت یہ مشہور مصرعہ پڑھا:

جائیکہ سلطان خیمہ زد غوغا نما ند عام را۔

حضرت مخدوم صاحب رحمہ اللہ سن کر بہت مسرور ہوئے اور ایک خادم سے فرمایا کہ جوگی سے کہہ دو کہ بس بوریا بستر سنبھالے اور کہیں نکل بھاگے، خادم نے جا کر یہی کہہ دیا تو جوگی نے مغرورانہ لہجے میں کہا کہ ہمارا نکلنا کوئی مذاق نہیں ہے ہم پانسو ہیں کوئی قوت ولایت سے نکالے تو نکالے ورنہ ہمارا نکالنا ہنسی ٹھٹھا نہیں ہے۔

کے قیام اور تعمیر خانقاہ کے سلسلے میں حضرت ملک الامرا رحمہ اللہ کی جاں نثاری، ایثار اور حسن تدبیر کو بڑا دخل ہے اور سلسلہ اشرفیہ کی ترویج و اشاعت میں بھی ان کی سعی و محنت کچھ کم اہم نہیں۔ (لحائف اشرفیہ ج ۲ ص ۱۰۶ تا ۱۰۸)

جمال الدین راؤت اُسی دن حضرت مخدوم صاحب رحمہ اللہ کے ہاتھ پر مرید ہوئے تھے آپ نے اُن سے فرمایا کہ جاؤ جو بات جوگی دیکھنا چاہے دکھا دو، جمال الدین جوگی سے بچپن ہی سے ڈرے ہوئے تھے ہمت نہ پڑی آپ نے قریب بلایا پان کی گلوری چبا کر جمال الدین کے منہ میں رکھ دیا پھر کیا تھا جمال الدین اشرفی کچھارے کے شیر بن گئے اور بہادروں کی طرح جوگی کے پاس چلے گئے اور نکلنے کو کہا، باہم خوب باتیں ہوئیں آخر سب جوگی کہنے لگے کہ پہلے کچھ کرامت دکھاؤ تو ایسی باتیں منہ سے نکالو، جمال الدین نے کہا کہ ہمارا کام کرامت دکھانا نہیں ہے لیکن اب تم کہتے ہو تو مجبوری ہے، اچھا بولو کیا دیکھنا چاہتے ہو۔

کہتے ہیں کہ جوگیوں کو طیش آگیا اور غصہ میں جادو کے ذریعہ چیونٹی کی فوج بنا کر بھیجا تو جمال نے کہا:

(نسخ)

سلیمانے رسیدہ باچنیں زور تو بکشتائی برور لشکر مور  
بود معلوم ہمت مور بے قیل درآں وقتے کہ افتد در پئے پیل  
جیسے ہی جمال الدین نے چیونٹی کی فوج پر غضب کی نگاہ ڈالی تو کسی کا نام و نشان بھی میدان میں نہ رہ گیا۔ پھر جوگیوں نے شیروں کی فوج بنا کر بھیجی، جمال الدین نے فرمایا کہ بھلا مصنوعی شیر بھی شیر ان حق کا مقابلہ کر سکتے ہیں چنانچہ شیر بھی میدان سے بھاگے آخر جوگی نے اپنا سونٹا ہوا میں اڑایا، حضرت جمال الدین نے مخدوم صاحب رحمہ اللہ کا عصا شریف منگا کر اوپر مہینگا عصا شریف نے جوگی کے سونٹے کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرا دیا، یہ دیکھ کر جوگی سمجھ گیا کہ اب مقابلے کی تاب نہیں ہے اور کوئی فریب کار گر نہ ہوگا آخر تنگ آ کر بولا کہ مجھ کو مخدوم صاحب کے پاس لے چلو میں ان کے ہاتھ پر

مسلمان ہونگا۔ حضرت جمال الدین جوگی کا ہاتھ پکڑ کر لائے اور حضرت مخدوم صاحب رحمہ اللہ کے قدموں پر ڈال دیا۔ حضرت نے جوگی کو کلمہ پڑھایا اور اُس کے چیلے بھی مسلمان ہوئے۔ سب لوگ اپنی مذہبی کتاب حضرت کے سامنے لائے اور آگ میں جلا کر پھونک دیا۔ حضرت نے اُن سے بڑی ریاضت کرائی اور تالاب کے کنارے اُن کی نشست کے لئے ایک جگہ مقرر فرمادی۔ کہتے ہیں کہ جوگی کے اسلام لانے پر اُس دن کوئی پانچ ہزار اشخاص مسلمان ہوئے تھے۔ (۱)

جوگی کے مسلمان ہونے کے بعد حضرت نے اپنا سارا سامان اُسی مقام پر منگالیا جو پہلے جوگیوں کی جگہ تھی اور ہمراہیوں کے لئے علیحدہ علیحدہ قیام گاہ تجویز فرمادیا، سب نے اپنا اپنا حجرہ بنالیا اور خانقاہ اشرفی کی تعمیر تھوڑے دنوں میں ملک محمود رحمہ اللہ نے کرا دی۔ قرب و جوار کے سادات کرام نے آ کر دست حق پرست پر بیعت کی۔ ملک الامرا ملک محمود رحمہ اللہ نے اپنی اولاد اور رعایا کو حضرت کے ہاتھ پر داخل سلسلہ اشرفیہ کیا، حضرت مخدوم صاحب رحمہ اللہ کی ملک محمود صاحب رحمہ اللہ پر بڑی عنایت رہتی تھی۔ دو تین سال میں جب خانقاہ اور اُس کے لوازم کی تعمیر ختم ہو چکی تو حضرت نے اُس کا نام روح آباد رکھا۔ کبھی کبھی حضرت روح آباد سے پورب جانب مع اصحاب کے تشریف لے جاتے اور جلوہ فرما ہو کر اسرار و معارف کی باتیں فرماتے رہتے اُس کا نام دارالامان حضرت نے رکھا۔ کبھی روح آباد سے اتر طرف تشریف لے جا کر جلوس فرماتے اس کا نام

۱۔ صاحب تذکرہ چشت فرماتے ہیں کہ ”چوں حضرت میر جہانگیر رحمہ اللہ بعد از سیر شہر جون پور بمقام کچھوچھو (کچھوچھو) تشریف بردور آنجا جوگی کامل بابا نصیر مریڈ اہل کمال کہ درہوای پریدہ سکونت داشت میر جہانگیر رحمہ اللہ بادی مقابلہ درپیش آمد جوگی انواع انواع تصرفات خود بر آنحضرت جاری کرد و خراج آمد و بخندمت حاضر آمدہ زبان تصدیق اسلام بکشادہ بامریڈاں خود مرید گردید“۔ (غزنیۃ الاصفیاج ص ۳۷۵)۔

روح افزا ہے اور بارہا اُس مقام کے لئے ارشاد فرمایا کہ یہاں اولیاء، اوتاد، اخیار اور رجال الغیب سب آتے رہتے ہیں اور فیض حاصل کرتے ہیں۔ تم لوگ بھی یہاں آ کر فیضیاب ہوتے رہو۔ غرض اس زمانے میں روح آباد آستانہ حضرت کچھوچھ مقدسہ کی چہل پہل بڑھ گئی اور انوار و برکات سے یہ سرزمین مقدس مالا مال ہو گئی۔ (۱)

## محبوب یزادانی

سچ ہے مصرعہ۔ عشق اول دردِ معشوق پیدا می شود۔ جذباتِ محبت کا ہیجان اور وارفتگی کے آثار جس قلب و وجود میں آج دیکھو تو سمجھ لو کہ کل یہی ہستی محبت کی دیوی اور یہی وجود محبوبیت کا مجسمہ ہوگا، جو آج دائرۂ محبت کی گردش میں ہے وہ کل اس محیط کا مرکز بن جائے گا۔ اس وادی کا سیاح اگر آج مبتلائے آبلہ و خار ہے تو کل وہ محل نشین و سوار ہو جائے گا، جو آج محبت کا بیمار ہے وہ کل میجائے روزگار ہوگا۔ نمک بر جراحت کا لذت آشنا پہلے قلب محبوب ہی ہوتا ہے۔ دستِ جنونِ عشق پہلے دامن و گریبانِ معشوق ہی کو چاک کرتا ہے۔ عشق پہلے عاشق ہی کے قلب میں چنگیاں لیتا ہے اور نشترِ محبت پہلے محبت ہی کے جگر پر چلتا ہے، عشق کا جنون پہلے لیلیٰ ہی پر سوار ہوا تھا اور محبت کی تلخیاں پہلے شیریں ہی کے لئے ذائقہ نواز ہوئی تھیں۔ غرض عشق و محبت کا پہلا مکان قلبِ محبوب ہے اور اسی شرفِ تقدیم کی بدولت جو پہلے گرفتارِ محبت ہوتا ہے، وہ اپنے دامِ محبت میں ہزاروں کو ہمیشہ گرفتار رکھتا ہے۔ اس قانون کا تعلق صرف عالمِ مجاز ہی سے نہیں ہے بلکہ یہ وہ حقیقت ہے کہ عالمِ حقیقت کی بنیاد بھی اسی قاعدہ کلیہ پر ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا غیر معمولی اذیتوں پر صبر فرمانا، تبلیغِ حق پر مخالفت کا جوشِ قوم کی طرف سے ہونا، طرح طرح

۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، لطائفِ اشرفی، مرآۃ الاسرار، خزینۃ الامفیاء، محائفِ اشرفی وغیرہ۔



کے ناگفتہ بہ حالات کا پیدا ہونا، ترک وطن پر مجبور ہونا، انتقام کی قوت رکھتے ہوئے جبال مصائب کا تحمل فرمانا اور اسی قسم کے واقعات اگر طلب مولیٰ و عشق الہی کی پہلی منزل تھی تو اس کے بعد اعداء کا ستیاناس ہو جانا، اقوام پر فتح پانا، ہر دلعزیزی کا خلعت پانا، دشمنوں پر عتاب و تہدید نازل ہونا، کلام محبوب سے لذت شناس ہونا اور خلعت و محبوبیت کے تاج سے سر بلند ہونا اُسی ابتدائے عشق کا لامی نتیجہ ہے۔

موسیٰ علیہ السلام نے پہلے فرعون کے تفوق پر صبر کیا پھر اپنے کو سر بلند پایا، ابراہیم علیہ السلام نے پہلے نارنمرود کو نار جہنم سے کم سمجھا تو اُس کو گلزار پایا، پہلے راہ مولیٰ میں لخت جگر کو گویا ذبح کر ڈالا تو اپنی خلعت کی یادگار قیامت تک کے لئے چھوڑ دی۔ اور ہاں ہمارے آقا و مولیٰ سید عالم ﷺ نے پہلے اعلان حق کی بنا پر نرغہ اعداء میں حضرت ام ہانیؓ کے گھر میں اپنے کو محصور پایا تو اس کے بعد پھر معراج و قرب کی محفل جمائی گئی۔

صحابہ کرام کی ابتدائی دشواریاں اور خاندان نبوت کے پہلے افراد کا اپنے لہلہاتے باغ کو لٹانا کسے نہیں معلوم! یہ حسن کے جگر کے ٹکڑوں اور حسین کے خون کے قطروں کا رنگ ہے جو باغ اسلام ہرا بھرا اور مجسمہ اسلام سرخرو نظر آ رہا ہے۔  
رضی اللہ تعالیٰ عنہم (جمعین)۔

راہ سلوک کی دشوار گزار گھاٹیوں کا حال غوث الثقلینؒ و خواجہ غریب نوازؒ سے پوچھو، طلب مولیٰ کی سنگلاخ زمین کی مصیبتوں کی کیفیت اولیاء عرب و خواجگان ہند سے دریافت کرو جن کو عشق الہی میں پابہرہ نہاد یہ نوردی، بیوطنی اور فاقہ کشی کی لذتوں نے غوث و قطب و محبوب بنادیا قصہ اللہ تعالیٰ سر ہم العزیز و نفعنا ببرکاتہم۔

حضرت مخدوم صاحب رحمہ اللہ نے عشق الہی کی راہ اور طلب مولیٰ کی سبیل میں

سب سے پہلا قدم بچپن میں ہوش سنبھالتے ہی رکھ دیا تھا اور پھر ترک سلطنت اور سفر ارادت کے مافوق الفہم واقعات نے دعویٰ محبت کی صداقت کو عالم آشکار کر دیا تھا۔ بارگاہ شیخ میں جذبات خدمت کا دفور سب پر ظاہر ہو چکا تھا۔ جہانگیری و مقبولیت کا چمکتا تاج فرق اقدس پر رکھ دیا گیا تھا اور وہ وقت آ گیا تھا کہ جس نے عاشقانہ لباس پہن کر اس میدان محبت کی مشکلات کو برداشت کیا تھا اُس کا جامہ زیب بدن محبوبیت کے لباس سے ملبوس کیا جائے اور دنیا دیکھ لے کہ مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهُ، جو اللہ کا ہو رہتا ہے اُس کا اللہ ہو جاتا ہے من يحب الله يحبه الله جو محبت الہی کا متوالا ہوتا ہے وہ اللہ کا محبوب ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ۲۷/۱۷ ماہ رمضان المبارک ۸۲ھ کی رات کو روح آباد کچھوچھ شریف میں حضرت کو شب قدر ملی مریدین و خلفاء اور قلندران و ارباب صفا کا اچھا خاصہ مجمع تھا آپ کے بھانجے اور جانشین حضرت نور العین (۱) اور خلیفہ ابن خلیفہ حضرت دریتیم ابن حضرت شیخ کبیر اور خلفاء و اصحاب طیر یعنی حضرت شیخ رکن الدین

۱..... حضرت مخدوم آفاق حاجی الحرمین مولانا ابوالحسن سید عبدالرزاق نور العین علیہ الرحمہ حضرت مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سنائی قدس سرہ کی خالہ زاد بہن کے صاحبزادے، مرید صادق، خلیفہ اعظم اور نایاب خانوادہ غوثیہ کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے:

سید عبدالرزاق بن میر سید حسن عبدالغفور جبلی بن میر سید احمد شریف بن میر سید محمد ابوالحسن شریف بن میر سید موسیٰ شریف بن میر سید علی شریف بن میر سید محمد شریف بن میر سید حسن شریف بن میر سید احمد شریف بن میر سید محمد شریف بن میر سید ابوفتحی الدین بن میر سید ابوصالح بن میر سید عبدالرزاق بن میر سید محبوب سجانی قطب ربانی غوث الصمدانی محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ (صحائف اشرفی، ورق ۱۲۹)

حضرت مخدوم سنائی قدس سرہ نے دوسری بار چار سالہ قیام پنڈوہ شریف کے بعد عالمی سیاحت کا دوبارہ قصد فرمایا اور اسی سلسلے میں عتبات عالیہ کی سیاحت فرماتے ہوئے قصبہ گیلان بھی پہنچے۔ وہاں چند روز آپ نے قیام فرمایا اور اسی اثناء میں حضرت سید عبدالرزاق جن کی عمر اس وقت بارہ سال کی تھی، کو آپ سے کچھ ایسی گرویدگی پیدا ہو گئی کہ بلاخران کے والدین نے بھی بر غبت و رضا اپنے سعادتمند و صاحب اقبال فرزند کو حضرت مخدوم سنائی علیہ

(لحم) کی خدمت و ملازمت میں پیش کر کے اپنے سارے حقوق سے دستبرداری حاصل کر لی۔ حضرت مخدوم نے بعد جان سید زادہ کو اپنی فرزندگی میں قبول فرمایا اور اس طرح ”نسبائے دودمان سیادت و قربت ہائے خاندان نقابت تازہ کرید“ (لطائف اشرفی ج ۲ ص ۳۸۰)

حضرت مخدوم سمنانی قدس سرہ نے سید عبدالرزاق کو نورالعین کا خطاب عطا فرمایا اور اپنی آغوش ولایت میں حضرت نورالعین کی پرورش و تربیت کی۔ تمام علوم صوری و معنوی کی دولت بے کراں سے مالا مال فرما کر انہیں تکمیل و ارشاد کے اعلیٰ مرتبے پر پہنچایا۔ (صحائف اشرفی، ورق ۱۳۸)

مؤلف لطائف اشرفی لکھتے ہیں کہ ”قریب سی سال طریق خدمت حضرت قدوۃ الکبریٰ (یعنی حضرت مخدوم سمنانی علیہ السلام) سپردہ و سرفراز حاضر بودہ دریں مدت گاہی یادندارد کہ حضرت ایٹاں امری فرمودہ باشند بجز سید زادہ (یعنی حضرت نورالعین علیہ السلام) دیگر سبقت کردہ باشند“۔ (لطائف اشرفی ج ۲ ص ۳۸۶)

حضرت نورالعین علیہ السلام کی فضیلت اور عالی مقامی کے باب میں حضرت مخدوم علیہ السلام کا یہ ارشاد و گرامی بھی قابل توجہ ہے کہ ”شیخ زادہ کم بر جادہ یافتہ شد، من خود شیخ زادہ دارم کہ شیخ زادہ نباشد و کاراد شیخ زادان نباشد و دیگران از حلب میزانیہ عبدالرزاق را من براہ چشم زادہ ام باوجود آنکہ نسبہا دارم“۔ (لطائف اشرفی ج ۲ ص ۳۸۱، صحائف اشرفی، ص ۱۲۹)

حضرت نورالعین علیہ السلام کی شادی موضع نصیر آباد ضلع فیض آباد جو کچھ شریف سے ۱۰ میل شمال کی جانب دریائے گھاگھرا کے کنارے آباد ہے، کے ایک سید گھرانے کی خاتون سے ہوئی تھی اور آپ کے پانچ صاحبزادے تھے جیسا کہ شاہ سید مخدوم بخش ابن شاہ سید درگاہی اشرف نے جو حضرت نورالعین علیہ السلام کے دوسرے صاحبزادے حضرت شاہ حسین علیہ السلام کی اولاد کے بزرگوں میں سے تھے، اپنے ملفوظات میں تحریر کیا ہے کہ ”چوں حضرت مخدومی شاہ حاجی الحرمین از وطن شریف خود آوردہ علم ظاہری و باطنی تعلیم نمودند بموضع نصیر آباد کہ در آنجا سادات صحیح النسب از سابق آباد بودند شادی کردند و اورا پنج پسر عالی گہر بوجود آمدند“ (صحائف اشرفی، ورق ۱۳۰)

حضرت نورالعین علیہ السلام کے تمام فرزندان یعنی حضرت شاہ سید شمس الدین، حضرت شاہ سید حسن، حضرت شاہ سید حسین، حضرت شاہ سید احمد اور حضرت شاہ سید فرید رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کو حضرت مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ نے جامہائے تبرک عنایت فرمایا جو حضرت کو مختلف بزرگان دین سے ملا تھا اور بکمال شفقت و محبت حضرت مخدوم علیہ السلام نے سارے فرزندان کے حق میں علیحدہ علیحدہ حقائق آمیز و معارف انگیز کلمات ارشاد فرمائے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، لطائف اشرفی ج ۲ ص ۳۱۱، نیز حضرت مخدوم کے کلمات طیبات کی عالمانہ



شرح ووضاحت کے لئے ملاحظہ ہو: صحائف اشرفی، ورق ۱۱۸ تا ۱۲۰

حضرت شاہ سید شمس الدین علیہ السلام خلف اکبر نے حضرت مخدوم سمنانی قدس سرہ کی وفات کے دو سال کے بعد ۸۱۰ھ میں ناگھڑا انتقال فرمایا، اس وقت ان کی عمر بیس (۲۰) سال کی تھی۔ حضرت شاہ سید شمس الدین کی وفات کے بعد حضرت نور العین علیہ السلام نے اپنی کنیت ابوالحسن رکھی اور بقول صاحب صحائف اشرفی ”فرزند دوی خود را کہ شاہ حسن نام داشت فرزند اکبر خود شمر دند“۔ حضرت نور العین علیہ السلام کے سب سے چھوٹے صاحبزادے حضرت شاہ سید فرید علیہ السلام نے بھی کچھ زیادہ عمر نہ پائی اور دو پشت کے بعد ان کی نسل ہی منقطع ہو گئی۔ (صحائف اشرفی، ورق ۱۲۰) حاصل کلام یہ ہے کہ حضرت نور العین علیہ السلام کے باقی تین فرزندان یعنی حضرت شاہ سید حسین خلف اکبر علیہ السلام، حضرت شاہ سید حسین علیہ السلام اور حضرت شاہ سید احمد علیہ السلام ہی سے خانوادہ اشرفیہ وہ دمان غوثیہ کا فروغ ہوا۔ چنانچہ آج بھی ہندو پاک کے مختلف علاقوں میں ان تینوں فرزندان نور العین علیہ السلام کی اولادیں آباد ہیں اور ہر شاخ میں رسم سجادہ نشینی جداگانہ طور پر ادا کی جاتی ہے۔ اس موقع پر حضرت مخدوم سمنانی علیہ السلام کا یہ بلیغ ارشاد گرامی اور فیوض نامتہ ہی بھی ملاحظہ فرمائیے کہ ”عبدالرزاق و فرزند ان اور اسخو انہ الہی شریک ساختیم از حضرت نامتہ ہی درخواست کردہ ایم کہ اگر اولاد و اتحاد عبدالرزاق قانع بودند ہرگز کسی محتاج نشوند باندک توجہ آنہا ہمت مردوں در کار خواہد بود..... و اگر بر در مخلوق روند خوار گردند“

(لطفائف اشرفی ج ۲ ص ۳۸۲، صحائف اشرفی، ورق ۱۲۹)

اسی عبارت پر بشارت اور فیض مخدومی کی بناء پر حضرت نور العین علیہ السلام نے اپنی تمام زندگی میں سلطان حسین شرقی نیز کسی امیر و رئیس کی پیش کی ہوئی معافی و جاگیر کو قبول نہ کیا اور عرصہ گاہ قناعت میں جمیع مشائخ پر سبقت حاصل فرمائی۔ (صحائف اشرفی، ورق ۱۲۹) شاید حضرت نور العین علیہ السلام کے انہی مخلصانہ مجاہدے اور عارفانہ ریاضت و عمل کا یہ ثمرہ تھا کہ حضرت مخدوم سمنانی علیہ السلام نے اپنے آخری نجات حیات ظاہری میں ایک خاص موقع پر بجوش مراہم خسروانہ فرمایا کہ ”فرزند ان نور العین کو دوست رکھنے والا میرا دوست ہے اور ان کا دشمن میرا دشمن ہے اور جو میرا دشمن ہے وہ جمیع خاندان چشت و دودمان اہل بہشت کا بدخواہ ہے۔“ (لطفائف اشرفی ج ۲ ص ۳۱۱)

حضرت نور العین علیہ السلام کے سنہ وفات پر تذکرہ نگار مختلف الحیال ہیں لیکن وفات کی تاریخ، مہینہ اور مدت عمر میں کسی کو اختلاف نہیں۔ سنہ وفات پر اختلاف رائے کی سب سے بڑی وجہ صاحب لطفائف اشرفی کا یہ بیان ہے کہ ”صد و نسبت سال عمر یکمال سید عبدالرزاق یافتہ بودند، دوازده سالہ بودند کہ بشرف ملازمت مشرف شدند، چہل سال بر سر سجادہ بارشاد اصحاب طلب و اجہدائی ارباب قلب احتمال داشتند، باقی حیات صرف خدمت حضرت قدوة



الکبری شدہ (لطائف اشرفی ج ۲ ص ۳۸۱) چنانچہ بعض واقعہ نگاروں نے حضرت مخدوم سمنانی قدس سرہ کے سن وفات ۸۰۸ھ میں ۴۰ سال جمع کر کے ۸۴۸ھ کو حضرت نور العین علیہ السلام کا سنہ وفات متصور کر لیا جس کی تاریخی صحت غیر یقینی اور ناقابل اعتبار ہے۔

اس سلسلے میں پہلی دلیل یہ ہے کہ مکتوبات اشرفی کو حضرت نور العین علیہ السلام نے مرتب فرمایا تھا اور لفظ مکتوبات سے سنہ تالیف برآمد ہوتا ہے (ملاحظہ ہو: صحائف اشرفی، ورق ۱۳۱) مکتوبات کے اعداد ۸۶۹ ہوتے ہیں اور اس حساب سے ۸۶۹ھ میں حضرت نور العین علیہ السلام کے باحیات رہنے کی نشاندہی ہوتی ہے۔

دوسری دلیل یہ بھی ہے: ونیز در ملتوظاتی کہ از میں خاندان است دیدہ ام کہ وفات شریف در سنہ ہشت صد و ہفتاد و ہجری (۸۷۰ھ) نوشتہ (صحائف اشرفی، ورق ۱۳۱)

تیسری دلیل یہ ہے کہ میر غلام بھیک نیرنگ مرحوم، مقدمہ تحائف اشرفی مطبوعہ ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۱۵ء کے ص ۲ پر حضرت نور العین علیہ السلام کا سنہ وفات ۸۷۲ھ بتاتے ہیں اور وفات کا مادہ تاریخ ”مخدوم آفاق“ تحریر کیا ہے۔ اس بیان کی تصدیق و توثیق اس عبارت سے بھی ہوتی ہے جو قبۃ اشرف میں حضرت نور العین علیہ السلام کے مزار سے متصل شرقی دیوار پر کندہ ہے۔ علاوہ ازیں انوار اشرفی مرتبہ حضرت حاجی الحرمین مولانا سید شاہ اشرف حسین سجادہ نشین سرکار کلاں سے بھی اس دعویٰ کا اثبات ہوتا ہے۔ (ملاحظہ ہو: انوار اشرفی، ص ۱۳۱)

چوتھی دلیل کے طور پر یہ واقعہ بھی ذہن میں رکھئے کہ سلطان حسین شرقی (البتولی ۹۰۱ھ) نے اپنے عہد سلطنت میں حضرت نور العین علیہ السلام کی خدمت میں ایک جاگیر معانی بطور نذر پیش کرنی چاہی تھی جسے حضرت نے قبول نہ فرمایا (ملاحظہ ہو: صحائف اشرفی، ورق ۱۲۹) سلطان حسین شرقی ۶۸۸ھ میں تخت حکومت پر متمکن ہوا، لہذا ۸۶۸ھ کے قبل حضرت نور العین علیہ السلام کا سنہ وفات کس طرح لائق اعتبار ہو سکتا ہے؟

پانچویں اور اہم دلیل یہ بھی ہے کہ اگر بالفرض محال حضرت نور العین علیہ السلام کا سنہ وفات ۸۴۸ھ تسلیم کر لیا جائے تو ان کا سنہ پیدائش ازوئے حساب ۲۸۷ھ قرار پائے گا اور بارہ سال کی عمر یعنی ۴۰۷ھ میں ان کی حضرت مخدوم سمنانی علیہ السلام سے پہلی ملاقات کو بھی ماننا پڑے گا۔ حالانکہ اصل واقعہ یہ ہے کہ حضرت مخدوم سمنانی علیہ السلام نے ۳۵۷ھ میں بیعت و خلافت حاصل فرمائی اور ۶ سال مسلسل چنڈہ شریف میں قیام فرما کر ۴۲۲ھ میں اپنے پیرو مرشد کی اجازت سے ملکی اور عالمی سیاحت کا پہلا پروگرام بنایا اور جب دوسری بار عالمی سیاحت کا قصد فرمایا تو قصبہ گیلان بھی پہنچے۔ ایسی صورت میں یہ تاریخی قباحہ لازم آتی ہے کہ سالوں قبل ہی حضرت نور العین علیہ السلام کی ملاقات کا واقعہ کیونکہ وقوع پذیر ہو سکتا ہے؟

شاہباز و حضرت شیخ اصیل الدین سفید باز اور حضرت شیخ جمیل الدین جبرہ باز و دیگر علماء و مشائخ مثلاً حضرت قاضی رفیع الدین اودھی و حضرت شیخ شمس الدین اودھی و حضرت شیخ عارف و حضرت شیخ معروف و حضرت ملک محمود و غیرہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اسی رات کی بیداری میں حاضر تھے، مطلع فجر کے وقت سب لوگوں نے سنا کہ ہاتف غیبی نے ندا دی کہ ”اشرف ہمارا محبوب ہے۔“

اس مرثدہ جانفزا کو سنتے ہی خانقاہ اشرفی میں عید کا سماں کھینچ گیا اور نیاز مندان بارگاہ کی مسرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔

مبارک اور سلامت کے نعروں کی آواز بازگشت آسمان سے آنے لگی اور شب قدر کی برکات نے سب کو حسب مراتب مالا مال کر دیا۔ حضرت مخدوم صاحب علیہ الرحمہ کی عادت کریمہ تھی کہ روزانہ نماز فجر مکہ معظمہ میں ادا فرماتے تھے اور طے زمان و مکان کی

---

ان سارے شواہد کی بنیادوں پر راقم الحروف کا خیال یہ ہے کہ بعض تذکرہ نگاروں سے صاحب لطائف اشرفی کا مفہوم اخذ کرنے میں لغزش ہو گئی ہے اور تاریخی مطابقت کو نظر انداز کر دینے کا یہی قدرتی نتیجہ ہوا کرتا ہے۔ لطائف اشرفی کی عبارت سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ ”اصحاب طلب و ارباب قلب کی خاطر سے حضرت نور العین علیہ الرحمہ چالیس (۴۰) سال تک مسند سجادگی پر مسلسل رونق افروز رہے، لیکن اس عبارت کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ حضرت مخدوم سمنانی علیہ الرحمہ کی وفات کے بعد صرف چالیس (۴۰) سال تک حضرت نور العین علیہ الرحمہ کی شمع حیات روشن رہی! اسی بناء پر راقم الحروف کی یہ توجیہ قرین قیاس ہے کہ ۸۰۸ھ (سنہ وفات حضرت مخدوم سمنانی علیہ الرحمہ) کے بعد منصب خلافت و سجادگی کی ساری ذمہ داریاں اور تمام تقاضے حضرت نور العین علیہ الرحمہ کو کشاں کشاں لئے پھرتے رہے لیکن انہوں نے اپنی عمر کے آخری چالیس (۴۰) سال سرزمین روح آباد (کچھو چھو شریف) ہی میں گزارے اور مسند رشد و ہدایت کو مستقلاً رونق بخشی اس توجیہ سے تاریخی قباحتیں بھی رفع ہو جاتی ہیں اور لطائف اشرفی کی عبارت کا مفہوم بھی واضح اور غیر تشریح طلب ہو جاتا ہے۔ اب حضرت نور العین علیہ الرحمہ کا سنہ وفات ۸۷۰ھ اور ۸۷۲ھ دونوں معتبر ہو سکتے ہیں لیکن اجماع و قیاس کے اصولوں کے پیش نظر ۸۷۲ھ ہی مستند ترین سنہ وفات حضرت نور العین علیہ الرحمہ ہے۔

کرامت روزانہ ظاہر ہوتی تھی چنانچہ اُس شب قدر کی صبح کو بھی آپ مکہ معظمہ نماز فجر ادا فرمانے تشریف لے گئے وہاں حضرت شیخ نجم الدین اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ موجود تھے، حضرت کو دیکھتے ہی فرمایا کہ ”محبوب یزدانی“ آئے۔ آپ کو یہ خداوندی خطاب مبارک ہو، دونوں بزرگوں نے اظہار سرور کے لئے معانقہ کیا اُس وقت تقریباً پانچ سو مشائخ کرام حرم شریف میں موجود تھے، سب نے حضرت مخدوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو مبارکباد دی اور ہر ایک حضرت کی رفعت مرتبت پر خوش و شاداں تھا۔ اس کے بعد حضرت مخدوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ جہاں تشریف لے جاتے مشائخ کرام آپ کو محبوب یزدانی کہہ کر مخاطب کرتے یہاں تک کہ یہ آواز غیبی آسمان وزمین میں گونج اٹھی اور حضرت کی محبوبیت کا پرچم فرش سے عرش تک لہرانے لگا اور ہر زبانِ مسلم پر نام نامی کے ساتھ ”محبوب یزدانی“ کا لقب جاری ہو گیا۔ اَللّٰهُ فَضَّلَ لَكَ فُضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ۔

### غوث العالم (۱)

ابھی حضرت مخدوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بارگاہِ خداوندی سے ”محبوب یزدانی“ کا

۱۔ غوثیت کے اعلیٰ ترین مرتبے پر فائز ہونے کے علاوہ حضرت مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سنائی قدس سرہ نے حضرت ابوالرضا حاجی رتن ابن نصر ہندی رحمۃ اللہ علیہ جو صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے، کے دیدار و ملاقات کا شرف بھی حاصل فرمایا۔ چنانچہ حضرت مخدوم سنائی رحمۃ اللہ علیہ ہی کا ارشاد ہے: ”وَقَدْ كُنْتُ اِذَا فُقِرْتُ بِمِلَازِمَتِ حَضْرَتِ ابِی الرِّضَا رَتْنِ سَيِّدِ دَاوُودِ الْاَنْوَارِ لَطَائِفِ اِیْشَاں بِہر مند شدہ یک نسبت خرقہ ایں فقیر کحضرت رتن میرسد وادرا کحضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“

(لطائف اشرفی ج ۱، ص ۳۷۸)

اس لحاظ سے آپ تابعی ہوئے اور اس امتیازی وصف نے حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی کو جملہ مشائخ کے درمیان منفرد اور بے مثال بنا دیا۔ حضرت حاجی رتن رضی اللہ عنہ کے تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو: علامہ ابن حجر عسقلانی کی کتاب ”الاصابة فی تمییز الصحابة“ ص ۲۲۵ تا ۲۳۲ اور اجالی ذکر کے لئے، اذکار ابرار ص ۲۶، ۲۷۔

خطاب عطا نہیں ہوا تھا کہ حضرت کے ترک سلطنت کی مقبولیت کا تاج بلند رتبہ سر پر رکھ دیا گیا تھا اور ترک تخت سلطانی کے بعد سریر جہان بانی و فریادری پر حضرت بٹھادیئے گئے تھے یعنی وہ نعمت عظمیٰ و موہبت کبریٰ جس کا درجہ نبوت کے بعد مراتب ولایت میں سب سے اعلیٰ اور جس کو اصطلاح میں مرتبہ غوثیت کہتے ہیں اُس پر حضرت فائز ہو گئے تھے۔

اور اس طرح نہ صرف سمنان بلکہ تمام عالم کی باگ آپ کے ہاتھ میں ہو گئی اور عالم کا عالم حضرت کی بارگاہ یکس پناہ کا بھکاری اور فریادی بن گیا اور ایک ایک کی فریاد سن کر درگاہ عالم پناہ سے سب کی آرزوؤں کی جھولی رحم و کرم سے بھری جانے لگی، دنیا پکار اٹھی کہ ۔

یا سید اشرف جہانگیر دست من زار و ناتواں گیر

اور تجربہ کے بعد زمانہ کو اعتراف کرنا پڑا ۔

ہر کہ آید بردرت امیدوار برنگرد و تانہ یا بد مدعا

حضرت کا نام نامی رد بلا و مصائب کے لئے آہنی قلعہ بن گیا اور آسیب و سحر و جنون کے لئے خاکِ در و چراغِ آستانہ اکسیر اعظم ہو گیا (۱) جس کے تحریری اعتراف کا شرف مجھ سے پہلے حضرت شیخ محقق عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۲) نے اخبار الاخیار شریف میں حاصل کر لیا ہے۔ واقعہ یوں گذرا کہ حضرت مخدوم صاحب رحمہ اللہ آدھی رات گئے حضرت نور العین رحمہ اللہ اور حضرت کبیر رحمہ اللہ کو خیمہ مقدسہ میں طلب فرما کر حقائق و معارف کی تعلیم دیا کرتے تھے، ایک رات کو شیخ الاسلام کو یہ شرف عطا فرمایا

۱..... ”نام سید درآں دیار در دفع جن بغایت موثر است“ (اخبار الاخیار، ص: ۱۶۶)

۲..... التوتنی ۱۵۱ھ۔ آپ کے حالات زندگی کے لئے ملاحظہ ہو: اذکار ابرار، خزینۃ الاصفیاء، رود کوثر، اور حیات شیخ عبدالحق محدث رحمہ اللہ دہلوی۔



کچھ عرصہ کے بعد حضرت کی حالت عجیب و غریب ہو گئی، یہ لوگ اس مشاہدہ سے بید مرعوب ہو گئے اور خیمہ میں ٹھہر نہ سکے تو باہر نکل کر بیٹھ گئے اور دیکھا کہ حضرت بیخودی کی حالت میں ٹہل رہے ہیں۔ کوئی ایک پہر رات کا حصہ گزرا تو حضرت کی بیخودی جاتی رہی اور فرمایا کہ الحمد للہ مجھ کو مل گیا۔ یہ سن کر حضرت نور العین علیہ السلام و حضرت کبیر علیہ السلام و شیخ السلام علیہ السلام کو سخت حیرت ہوئی کہ یہ کیا معاملہ ہے کہ پہلے بیخودی کا رنگ تھا اور اب فرماتے ہیں کہ ”مجھ کو مل گیا“۔

اس کی تو تاب نہ تھی کہ اس بارے میں کچھ دربار دُر بار میں عرض کر کے حقیقت حال معلوم کر لیتے مگر اس کے سوا چارہ کار بھی نہ تھا۔ واقعہ کے جاننے کا شوق اس درجہ تھا کہ حضرت نور العین علیہ السلام نے جرأت فرما کر آخر عرض ہی کیا کہ حضور اس درجہ بچپنی آج اس وقت کیوں تھی؟

حضرت مخدوم صاحب علیہ السلام نے فرمایا کہ آج کی رات ماہِ رجب کے بے ہوش غوثِ زمانہ نے جن کی زیارت کا شرف ہم کو جبلِ الفتح پر حاصل ہوا تھا سفرِ آخرت اختیار فرمایا ہے۔ سارے اکابر روزگار کو اس کی تمنا تھی کہ اب اس عہدہ جلیلہ کے لئے اُن کا انتخاب ہو مگر اس بمثالِ عظمت کا تاج کسی کے سر پر ٹھیک نہیں اُترتا تھا۔ حق تعالیٰ کے وجہ کریم کو ہزار ہا حمد کہ اُس نے خُص اپنی عنایت بے غایت سے اس فقیر کو غوثیت کے تاجِ زرین سے سر بلند فرمایا۔

اس تقویٰ عہدہ عظیمہ کے بعد میں نے نمازِ جنازہ پڑھائی کیونکہ جنازہ غوث کی نمازِ غوث کے سوا کون پڑھا سکتا ہے اور جنازے کو میں نے اور عبدالرب نے اور عبدالملک نے اور ایک بزرگ اوتاد سے تھے انھوں نے اُٹھایا۔ اس عہدہ غوثیت سے

پہلے میں امام عبدالملک تھا اور غوث کے داہنے جانب میری جگہ تھی، اب میں غوث ہو گیا اور امام عبدالرب ترقی کر کے امام عبدالملک ہوئے اور ایک بزرگ اوتاد سے عبدالرب ہوئے اور اوتاد میں ایک ابدال سے اور ابدال میں ایک اخیار سے اور اخیار میں ایک ابرار سے اور ابرار میں ایک نجبا سے اور نجبا میں ایک نقبا سے اور نقبا میں ایک عام اہل اسلام سے داخل کیا گیا چنانچہ میری درخواست پر مسلمانوں میں تنگدلی کو اس مرتبہ یہ شرف حاصل ہوا۔

ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ۔

حضرت مخدوم صاحب علیہ (رحمہ) نے تمام عالم کی سیر و سیاحت ۳۰ برس تک فرمائی اور تقریباً پانسواولیاء اللہ سے ملاقات ہوئی۔ حضرت خواجہ نقشبند علیہ (رحمہ) (۱) حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت، حضرت سید محمد گیسو دراز (۲) اور حضرت شاہ بدیع الدین مدار (۳) کا وہ زمانہ تھا۔ اس سیر میں تقریباً پانسواولیاء اللہ سے ملنا ہوا اور خوارق عادات و کرامات کا اس قدر ظہور ہوا کہ عرب و عجم قدموں پر قربان ہونے لگا اور روئے زمین برکات اشرفیہ سے سیراب ہو گئی جس کی تفصیل کتاب مستطاب لطائف اشرفیہ میں ہے، لہذا شائقین اس کی طرف توجہ کریں۔

۲۸ / محرم ۸۰۸ھ کو درگاہ کچھوچھ شریف میں بوقت نماز عصر محفل سماع میں

مسکراتے ہوئے محبوب حقیقی کے وصال حقیقی کو ان اشعار پر اختیار فرمایا۔

گر بدست تو آمدہ اجلم      قدر ضینا بما جرے القلم  
خوبتر زیں دگر نباشد کار      یار خنداں رود بجانب یار

۱..... حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند علیہ (رحمہ) (التونی ۹۱ء)۔

۲..... التونی ۸۲۵ء۔

۳..... التونی ۸۴۰ء۔

سیر بیند جمال جانان را جاں سپارد نگار خنداں را  
 حضرت بھی قوالوں کی ان اشعار میں موافقت فرماتے تھے یہاں تک کہ اسی  
 مبارک محفل میں عالم آخرت کا سفر فرمایا۔ بارہ ہزار ہر داما مان واوتا دوا بدال وغیرہ حاضر  
 تھے اور قرب وجوار کے اکابر و عمائد کا بیٹھا ہجوم تھا۔ مزار پر انوار درگاہ کچھو چھ شریف میں  
 آج بھی زیارت گاہ خلائق و نفع بخش کائنات ہے اور آج تک حاجتمندوں کی آمد و رفت سے  
 روزانہ میلہ لگا رہتا ہے۔ پورا ماہ اگھن اور ماہ محروم کی ۲۶ سے ۲۹ تک حاجتمندوں اور  
 مشائخ و علما کا غیر معمولی مجمع رہتا ہے۔ آستانہ مقدسہ پر روزانہ جن خوارق عادات کا ظہور  
 ہوتا ہے اُس کا بیان طول تحریر کا باعث ہے۔ ان مختصر لفظوں کے ساتھ حضرت غوث العالم  
 محبوب یزدانی مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وادضاء عنی  
 کا اجمال ذکر پاک ہدیہ ناظرین کیا گیا۔ حق سبحانہ و تعالیٰ قبول فرمائے اور خدام غوث  
 کے دفتر میں نام لکھ لے۔ مصرع

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

### نتائج

- (۱) ترک دنیا گیر تا سلطان شوی۔
- (۲) من کان لله کان الله له۔
- (۳) من طلب شیئا وجد وجد۔
- (۴) خدمت شیخ وصول الی اللہ کا پہلا زینہ ہے۔

حضرت غوث العالم محبوب یزدانی مخدوم سلطان  
سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ  
کی سو سالہ حیات مقدسہ پر ایک اجمالی نظر

سن پیدائش	..... ۵۰۸ھ
تکمیل علوم و فنون	..... ۵۲۲ھ (۱۴ سال کی عمر میں)
تخت نشینی	..... ۵۲۳ھ (بعد وفات پدر)
ترک سلطنت	..... ۵۳۳ھ (مدت خلافت ۱۰ سال)
بیعت و خلافت	..... ۵۳۵ھ (سمنان سے پنڈوہ شریف کا فاصلہ ۲ سال میں تمام ہوا)
پہلا قیام پنڈوہ شریف	..... ۵۳۵ھ تا ۵۴۱ھ (۶ سال)
روانگی از پنڈوہ شریف	..... ۵۴۲ھ

جون پور میں پہلی آمد ..... ۵۴۲ھ (در عہد سلطنت تغلقیہ)

یہاں سے حضرت غوث العالم نے عتبات عالیہ کی سیاحت کا پروگرام بنایا اور ایک عرصے تک بلاد شرقیہ و ممالک اسلامیہ کی سیر فرماتے رہے۔ جزیرۃ العرب کے علاوہ مصر، روم، شام، عراق اور ترکستان کے مختلف علاقوں اور شہروں میں بھی آپ کا گزر ہوا اور اس وقت کے جملہ مشائخ عظام اور اولیائے کبار سے آپ نے فیوض و برکات حاصل کئے۔

۵۵۰ھ میں حضرت حاجی نظام یمنی رحمہ اللہ (مؤلف لطائف اشرفی حضرت غوث العالم کے سلسلہ ارادت میں داخل ہوئے جو حضرت کے سفر و حضر میں آخر دم تک ساتھ رہے۔

ہندوستان کو واپسی ..... ۵۵۸ھ (ممالک شرقیہ کی پہلی سیاحت کا

زمانہ پندرہ (۱۵) سال قیاس کیا گیا ہے)



بلاد شرقیہ کی واپسی کے بعد حضرت غوث العالم نے دوسری بار سفر پندوہ شریف اختیار فرمایا اور چار سال تک اپنے پیرومرشد کے فیوض و برکات حاصل فرما کر حرمین شریفین کی زیارت کا دوبارہ قصد کیا۔ اسی سفر میں آپ اپنی خالہ زاد بہن کی ملاقات کے لئے گیلان پہونچے اور اپنے بھانجے سید عبدالرزاق نورالعین علیہ السلام کو اپنی فرزندگی میں قبول فرمایا، یہ ۶۵-۶۳ھ کا واقعہ ہے۔

ہندوستان کو دوبارہ واپسی ..... ۶۸ھ (ممالک شرقیہ کی دوسری سیاحت غالباً ۱۰ سال پر مشتمل ہے)

منصب غوثیت پر فائز ہوئے ..... ۷۰ھ (بمقام گلبرگہ شریف)  
محبوب یزدانی کا خطاب ملا ..... ۸۲ھ (بمقام روح آباد کچھوچھا شریف)  
اسی سنہ میں حضرت غوث العالم نے تیسری بار اپنے پیرومرشد کا نیاز حاصل کرنے کی غرض سے پندوہ شریف کا سفر کیا۔ جب آپ قصبہ منیر شریف پہونچے تو حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری علیہ السلام کا انتقال ہو چکا تھا۔ آپ نے حضرت شیخ کی وصیت کے مطابق نماز جنازہ پڑھائی اور حضرت شیخ کے فیوض روحانی سے مالا مال ہو کر پندوہ شریف کی جانب تیز گام ہوئے۔

تغیر آستانہ عالیہ اشرفیہ ..... ۹۳ھ (مادہ تاریخ ”عرش اکبر“ ہے)  
پندوہ شریف میں آخری بار حاضری و قیام ..... ۸۰۱ھ تا ۸۰۳ھ (بعد وفات پیرومرشد اور بوقت جانشینی پیروزادہ حضرت نور قطب عالم پندوی)  
جون پور میں دوسری آمد ..... ۸۰۵-۸۰۴ھ (در عہد سلطان ابراہیم شرقی)  
مستقل قیام روح آباد تا وفات شریف ..... ۸۰۵-۸۰۸ھ۔

## ﴿ تصانیف جلیلہ حضرت غوث العالم ﴾

\*\*\*\*\*

۱۔ رسالہ غوثیہ :- اس رسالے میں منصب غوثیت سے متعلق تمام باتوں کا اندراج ہے۔ حضرت غوث العالم ہی کا ارشاد ہے کہ ”اکثر انچہ مناسب غوث بود و مقامات و مقالات اور در رسالہ غوثیہ ثبت کر دیم“۔ (لطائف اشرفی ج ۱ ص ۱۰۶)

۲۔ رسالہ مناقب اصحاب کاملین و مراتب خلفاء راشدین :- اس رسالے کے عنوان ہی سے اصل مضمون مترشح ہوتا ہے۔ حضرت غوث العالم نے تحصیل بیعت و خلافت کے بعد پنڈوہ شریف سے روانہ ہو کر قصبہ محمد آباد گوہنہ (جواب ضلع اعظم گڑھ میں ہے) میں نزول اجلال فرمایا۔ وہاں کے علماء نے حضرت کی اس تصنیف پر اعتراض کیا اور مناقب علی علیہ السلام کے نسبتاً زیادہ ہونے پر فرض کا الزام لگایا۔ بالآخر ایک طویل بحث و تمحیص کے بعد یہ معاملہ رفع دفع ہو گیا اور علماء نے اپنی غلط فہمیاں تسلیم کر لیں البتہ اس تصنیف کی تاریخی حیثیت کو چار چاند لگ گئے۔

(تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: لطائف اشرفی ج ۲ ص ۱۸-۱۹ برکات چشتیہ ۶۱۳۵۶)۔

۳۔ بشارت الاخوان :-

۴۔ ارشاد الاخوان :-

۵۔ فوائد الاشرف :-

۶۔ اشرف الفوائد :-

ان تمام تصانیف میں تصوف و معرفت کے رموز و اسرار ظاہر کئے گئے ہیں اور

یہ تصنیفات حضرت غوث العالم کی ابتدائی کاوشوں کی آئینہ دار ہیں۔ ایک جگہ حضرت ہی کا ارشاد گرامی ہے کہ ”پیش از اطلاع ایں فن ازیں فقیر وقوع یافتہ“

(لطائف اشرفی ج ۱ ص ۲۱۳، برکات چشتیہ ص ۵۵۸)

فوائد الاشرف الفوائد کو گجرات کے احباب و متوسلین کی ہدایت و راہ نمائی کے لئے مرتب فرمایا تھا۔ حضرت غوث العالم نے جب گجرات سے دہلی جانے کا عزم فرمایا تو ”رسالہ اشرف الفوائد و فوائد الاشرف جہت آں احباب نوشتہ اند و بآں اعزہ دادہ آمدند چنانچہ درد بیجاچہ آں رسالہ بدیں معنی اشارت رفت“۔ (لطائف اشرفی ج ۱ ص ۳۱۱)۔

۷۔ رسالہ بحث وحدۃ الوجود:- حضرت غوث العالم نے اس رسالے کو روم میں تصنیف فرمایا تھا اور اس کتاب میں تصوف کی مصطلحات کا اہتمام و التزام بکثرت تھا۔ اسی بناء پر ہندوستان میں بالخصوص بنگال کے علمائے تصوف اس کتاب سے استفادہ نہ کر سکے کیونکہ وہ مصطلحات تصوف اور ان کی نزاکتوں سے بے خبر تھے۔

(لطائف اشرفی ج ۱ ص ۲۱۳، برکات چشتیہ ص ۵۵۸)

۸۔ تحقیقات عشق:- اس کتاب میں عشق کی توجیہ و تشریح متصوفانہ انداز پر کی گئی ہے جو خیال انگیز بھی ہے اور بصیرت افروز بھی، تحقیقات عشق کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ اشرفیہ کچھوچھا شریف میں موجود ہے۔ کتب خانے کے ناظم اعلیٰ عزیزی مولوی سید اطہار اشرف ولی عہد سجادہ سرکار کلاں نے اسے کتب خانہ پیر محمد شاہ احمد آباد (جو ایک قدیم کتب خانہ ہے) سے نقل و مطابقت کرا کے منگوا یا ہے لیکن جس قلمی نسخہ کا یہ نقش ثانی ہے اس میں بھی تاریخ یا سنہ کتابت مندرج نہیں ہے۔

۹۔ مکتوبات اشرفی:- حضرت غوث العالم کے مکتوبات کا ایک گرانقدر مجموعہ جسے

حضرت کے بھانجے اور خلیفہ اعظم حضرت حاجی الحرمین مولانا ابوالحسن سید عبدالرزاق نورالحین رحمہ اللہ نے مرتب فرمایا تھا۔ مکتوبات اشرفی کے متعدد قلمی نسخے مختلف لائبریریوں میں پائے جاتے ہیں۔ مکتوبات کا ایک نادر مجموعہ حضرت حاجی شیخ نظام بخاری رحمہ اللہ مؤلف لطائف اشرفی نے بھی مرتب کیا تھا مگر افسوس کہ امتداد زمانہ سے شاید وہ محفوظ نہ رہ سکا۔

۱۰۔ اشرف الانساب:- سلاطین اور مشائخ عظام کے سلسلہ ہائے نسب۔

۱۱۔ مناقب السادات:- سیادت کے فضائل و مناقب پر یہ رسالہ مشتمل ہے۔

۱۲۔ فتاویٰ اشرفی:- مختلف استفتوں کے جوابات کا ایک قابل قدر ذخیرہ۔

۱۳۔ دیوان اشرف:- حضرت غوث العالم کے کلام بلاغت نظام کا مجموعہ۔

(ماخوذ از محبوب یزدانی)

۱۴۔ رسالہ تصوف و اخلاق (بزبان اردو):- اس رسالے کو سب سے پہلے میر نذر علی درو کا کوردی نے دریافت کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ”حضرت سید اشرف جہانگیر والی مجلد ضخیم کتاب کو میں نے خود دیکھا ہے، ضرور نا اس پر صفحے ڈالے گئے ہیں۔ اس کتاب کے ص ۱۸ کا ایک ٹکڑا ہے:

”اے طالب! آسمان زمین سب خدا میں ہے، جو تحقیق جان اگر تجھ میں

کچھ سمجھ کا ذرہ ہے تو صفات کے باہر بحیرہ تمام ذات ہی ذات ہے۔“

میر نذر علی درو کا کوردی کا یہ تحقیقی مقالہ بعنوان ”شمالی ہند اور اردو“ سالنامہ

یادگار ۱۹۳۳ء میں اشاعت پذیر ہوا تھا۔ فاضل مقالہ نگار نے رسالہ تصوف و اخلاق کو

اردو نثر کا نقش اول قرار دیا ہے۔ یہ مضمون علم و ادب کی دنیا میں اس قدر فکر انگیز رہا کہ



پروفیسر حامد حسن قادری نے اپنی معرکہ الآرا کتاب داستان تاریخِ شتر اردو میں میر صاحب کے تاریخی انکشاف کو پورے طور پر سراہا ہے۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ غالباً ۱۹۵۲ء یا ۱۹۵۳ء میں پروفیسر احتشام حسین نے بھی قومی آواز لکھنؤ کے سنڈے اڈیشن میں اردو شتر کے اس نقشِ اول پر اربابِ فکر و نظر کی توجہ کو مبذول کرایا تھا۔ اس سلسلے میں راقم الحروف کی درخواست پر حضرت سجاد نشین سرکار کلاں نے بھی میر نذر علی وردکا کوردی کو ایک خط تحریر کیا تھا جس کا جواب انہوں نے یہ دیا کہ رسالہ تصوف و اخلاق کے ضروری اور بنیادی اقتباسات کو نقد و تبصرہ کے ساتھ کتابی صورت میں ترتیب دے چکا ہوں اور اب اشاعت کی فکر میں ہوں۔ خدا کرے کہ یہ کتاب جلد از جلد شائع ہو جائے اور علمائے زبان و ادب کے لئے چراغِ راہ منزل کا کام دے۔

۱۵۔ رسالہ حجۃ الذاکرین:- مطبوعہ ومنسلکہ لطائف اشرفی ص ۴۲۵۔

۱۶۔ بشارۃ المریدین رسالۃ قبریہ:- مطبوعہ ومنسلکہ لطائف اشرفی ص ۴۳۱۔ یہ ایک مختصر تحریر ہے جسے حضرت غوث العالم نے قبر کے اندر بیٹھ کر مرتب فرمایا تھا۔ اس مختصر اور آخری تحریر میں تمام خلفاء اور مریدین کو بشارت دی گئی ہے کہ وہ دینِ حق پر ہیں لہذا وہ دین کے اساسی اور بنیادی اصولوں کو ہمیشہ پیش نظر رکھیں۔ حضرت غوث العالم نے اپنے معتقدات کا جس بلند آہنگی کے ساتھ اعلان فرمایا ہے وہ آٹھویں اور نویں صدی ہجری کے صوفیائے اسلام کے جرأتِ عمل اور بلندیِ کردار کی بہترین مثال ہے۔

## حضرت غوث العالم رحمۃ اللہ علیہ کے جلیل القدر خلفاء کا ایک مختصر تعارف

۱۔ حضرت حاجی الحرمین مولانا ابوالحسن سید عبدالرزاق نورالعین رحمۃ اللہ علیہ۔

(ملاحظہ ہو: ص ۶۲ تا ۶۶ بر حاشیہ)

۲۔ حضرت حاجی شیخ نظام یمنی رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ یمن کے باشندے تھے۔ ۵۰ھ میں حضرت غوث العالم کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے اور بہت ہی جلد خلافت سے سرفراز کر دئے گئے۔ پھر سفر و حضر میں آخر دم تک حضرت کے ساتھ ہی رہے۔ آپ کے حالات کسی کتاب میں نہیں ملتے لیکن لطائف اشرفی کے مطالعے سے آپ کے تبحر علمی کا پتہ چلتا ہے جہاں علوم و فنون کی رنگارنگی کے ساتھ ادب و انشاء کے جوہر بھی دکھلائے ہیں۔ آپ شاعر بھی تھے اور غریب متخلص رکھتے تھے اور یہ شاعرانہ مذاق لطائف اشرفی کے ہر صفحے سے نمایاں طور پر جھلکتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ لطائف اشرفی حضرت غوث العالم کے ملفوظات پر مشتمل ہے مگر ان ملفوظات کو جمع کر کے مدون کرنا کچھ غیر اہم کام نہیں۔ اس کے لئے بھی فکر و نظر کی گہرائی و وسعت اور قتی چابکدستی کی ضرورت ہوتی ہے۔ میرا اپنا خیال ہے کہ حضرت حاجی نظام یمنی رحمۃ اللہ علیہ نہ صرف یہ کہ عالم وادیب تھے بلکہ ایک ایسی متوازن اور گراں قدر شخصیت کے حامل تھے جہاں سے اخلاص، صداقت، دیانت داری، حقیقت پسندی، انتخابی نظر، تجزیاتی انداز اور جرأت اظہار کے سوتے پھوٹتے ہیں اور شاید انھیں اوصاف کی بناء پر حضرت غوث العالم نے انھیں وہ قرب خاص عطا کیا جو حضرت نورالعین رحمۃ اللہ علیہ کے سوا اور کسی کو میسر نہ تھا۔

۳ ﴿حضرت شیخ کبیر العباسی علیہ الرحمہ﴾: حضرت غوث العالم کے احباب واصحاب میں ایک بلند مقام رکھتے تھے۔ اور حضرت کے التفات صوری و معنوی سے اس حد تک مالا مال تھے کہ حضرت نور العین علیہ الرحمہ کو رشک ہوتا تھا۔ (لطائف اشرفی ج ۱ ص ۳۹۹)۔ حضرت غوث العالم علیہ الرحمہ نے اپنے ایک گرامی نامے میں حضرت شیخ کبیر کو ان لفظوں سے یاد کیا ہے ”فرزند اعز اکرام شیخ الاسلام و سلالۃ الاکابر شیخ کبیر طال عمرہ“ (لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۰۰) حضرت شیخ کی عالی مقامی اور فضیلت مآبی کے لئے یہ عبارت بھی کچھ کم اہم نہیں کہ ”حضرت کبیر عجوبہ روزگار و زبدۂ (نادرۂ) اولیاء اعصار خود بودہ اند“۔ (لطائف اشرفی ج ۱ ص ۵۱، برکات چشتیہ ص ۱۷۸)۔

ایک جگہ صاحب لطائف اشرفی رقمطراز ہیں کہ حضرت غوث العالم نے اللہ تعالیٰ کی چار نعمتوں پر حد درجہ فخر و شکر کیا ہے۔ ان میں چوتھی نعمت خداوندی کا ذکر اس طرح فرماتے تھے کہ ”دریائے حقائق کے دو گوہر اور کان دقائق کے دو جوہر مجھے نصیب کیا اور وہ دو گوہر ایک (حضرت) نور العین دوسرے (حضرت) کبیر ہیں۔ خدا نے چاہا تو ان کے ولایت کی روشنیاں اور ہدایت کے اثرات قیام قیامت تک باقی رہیں گے۔“ (برکات چشتیہ ص ۲۸۷-۲۸۸، لطائف اشرفی ج ۱ ص ۱۷۶)۔

۴ ﴿حضرت شیخ محمد درّ یتیم علیہ الرحمہ﴾: حضرت شیخ کبیر کے فرزند ارجمند تھے۔ صغریٰ ہی کے عالم میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا تو حضرت شیخ کبیر کی وصیت کے مطابق حضرت غوث العالم نے حضرت درّ یتیم کی پرورش و نگہداشت کی اور اپنے حجرہ عنایت میں ان کی تربیت صوری و معنوی خود فرمائی۔ (لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۰۰) تمام علوم ظاہری و تربیت سلوک کے بعد انہوں نے متعدد چلے کھینچے اور مجاہدے کئے۔ آخر میں

لباس خلافت سے ملبوس ہوئے اور دریتیم کا خطاب پایا۔

(لطائف اشرفی ج ۱ ص ۵۱، ۴۰۱)

حضرت غوث العالم کے تعلق خاطر کی یہ ایک روشن مثال ہے کہ حضرت دریتیم کی شادی کے لئے حضرت نواح سرور پور کے ایک تاجر کے گھر خود تشریف لے گئے۔ وہ شخص فقر ظاہر کی وجہ سے یہ رشتہ ناپسند کرتا تھا مگر حضرت غوث العالم کے اصرار و التفات نے اسے رضا مند بنالیا۔ (لطائف اشرفی ج ۱ ص ۵۱)

۵۷ حضرت شیخ شمس الدین بن نظام صدیقی اودھی علیہ السلام: آپ قدوہ علماء نامدار اور زبدۂ فصحاء روزگار تھے علوم عربیہ اور درس عالیہ کی تکمیل مولانا رفیع الدین اودھی سے کرائی۔ جب مولانا مذکور سے ارادت چاہی تو انہوں نے فرمایا کہ فرزند! میرے پاس جو کچھ سرمایہ علمی تھا وہ سب تمہیں دے چکا لیکن علوم صوفیہ اور تکمیل راہ سلوک ایک سید کے ہاتھ میں ہے جو عنقریب ہی یہاں کے لئے سفر و سیاحت فرمائیں گے ان کی ملازمت کو غنیمت سمجھنا کہ کلید کار انہیں کے ہاتھوں میں ہے۔ چند روز گزرنے کے بعد جب حضرت غوث العالم بنگال سے روح آباد (کچھو چھا شریف) پہونچے تو ایک عرصہ تک وہاں حضرت نے قیام فرمایا اور اس اثناء میں حضرت اپنے اصحاب سے فرمایا کرتے تھے کہ ایک دوست کی خوشبو آ رہی ہے۔ چنانچہ حضرت غوث العالم جب خطۂ اودھ پہونچے تو شہر کے اکابرین و عمائدین حضرت کے دیدار کے لئے آئے، ان میں حضرت شیخ شمس الدین بھی تھے۔ حضرت مخدوم نے انہیں دُور ہی سے دیکھ کر فرمایا کہ ”فرزند شمس الدین! اماں برائی تو آمدہ ام“۔ اس بات کو سن کر حضرت شمس الدین پر ایک کیفیت طاری ہوگئی اور بصدق تمام اپنا سر جھکا دیا۔ حضرت غوث العالم نے انہیں سلسلہ



ارادت میں شامل کیا اور چند روز کے بعد انھیں ریاضت و مجاہدہ کے لئے خلوت نشین کر دیا۔ اس مجاہدانہ طرز زندگی سے حضرت غوث العالم مطمئن ہو گئے اور خرقہ خلافت عطا فرمایا۔ علاوہ ازیں ”انواع مقامات منتہیانہ نسبت دی ایثار کردند و فرمودند کہ اشرف شمس و شمس اشرف از ہم جدا نہ اند“۔ (لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۰۱، ۴۰۲)۔

۶؎ حضرت سید عثمان بن خضر علیہ (الرہم)۔ آپ نبا سید اور حضرت خواجہ گیسو دراز علیہ (الرہم) کے گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ صاحب لطائف اشرفی نے آپ کو ”اجل السادات“ کہا ہے۔ حضرت غوث العالم نے آپ کی گونا گوں صلاحیتوں کو دیکھ کر خلافت عطا فرمائی اور اسرار محرمانہ و انوار مخصوصانہ سے نوازا۔ (لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۰۱، ۴۰۲)

۷؎ حضرت شیخ سلیمان محدث علیہ (الرہم)۔ آپ کا شمار حضرت غوث العالم کے خلفاء کبیر میں ہوتا ہے۔ آپ اپنے عہد کے قدوۃ المحدثین اور عمدۃ المفسرین تھے۔ لطائف اشرفی میں مذکور ہے کہ ”در ہندوستان محبت استاد کم یافتہ شد مگر از شیخ سلیمان محدث در کتاب حصن الحصین در اینجا گذرانیدند و نسبت حضرت بابا رضا رتن ازیں سلسلہ در تصحیح حدیث کردند“۔ (لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۰۲)

۸؎ حضرت شیخ معروف علیہ (الرہم)۔ آپ حضرت غوث العالم مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی علیہ (الرہم) کے اصحاب و احباب میں ایک امتیازی مقام رکھتے تھے۔ علوم غریبہ و معلومات عجیبہ کی فراوانی کے ساتھ حکمت و طریقت کی راہوں سے بھی لذت آشنا تھے۔ حضرت غوث العالم کا بلدہ جون پور میں نزول اجلال ہوا تو سارا شہر فیض دیدار کے لئے مجتمع ہو گیا۔ حضرت شیخ معروف نے بھی اس خبر کو پاتے ہی حضرت غوث العالم کی خدمت بابرکت میں حاضری دی اور شرف ارادت حاصل کیا۔ ان کی ریاضت شدیدہ اور

عبادت پسندیدہ کو ملاحظہ کرنے کے بعد حضرت غوث العالم نے انھیں لباس خرقہ اور خلافت نامہ دونوں عطا فرمایا۔ حضرت شیخ معروف کی محبوبیت اور قدرومنزلت کے لئے حضرت غوث العالم کا یہ ارشاد ”اشرف معروف ومعروف اشرف“ ایک فیصلہ ناطق کی حیثیت رکھتا ہے۔ (لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۰۲)۔ حضرت شیخ کا مسکن قصبہ دیلمو تھا جو ڈھلمو کے نام سے آج بھی مشہور ہے اور کچھوچھا شریف سے شمال و مغرب میں ۲۲ میل کے فاصلے پر دریائے سرجو کے کنارے آباد ہے۔

۹ ﴿ حضرت شیخ رکن الدین عجلہ (رحمہ).....

۱۰ ﴿ حضرت شیخ قیام الدین شاہباز عجلہ (رحمہ) :- حضرت غوث العالم کے اصحاب کبار اور احباب نامدار کی فہرست میں ان دونوں بزرگوں کا نام آتا ہے۔ حضرت غوث العالم کے دوسرے سفر بلا شرقیہ کی واپسی پر یہ دونوں بزرگ ہندوستان آئے اور اس قدر خدمت میں مصروف ہوئے کہ حضرت غوث العالم کے التفات خسروانہ سے مالا مال ہو گئے۔ صاحب لطائف اشرفی رقمطراز ہیں کہ ”آں مقدار عنایت و حمایت کہ نسبت وی بود براصحاب دیگر کم دیدہ شد“۔ ان دونوں کو حضرت غوث العالم سے ایک نسبتی تعلق بھی تھا اور اس سبب سے بھی ان کو خصوصیت حاصل تھی۔ ان کے قیام و رہائش کے لئے بنی پورہ کا مکان جو دریائے سرجو کے کنارے واقع تھا اور جس میں حضرت مخدوم رونق افروز ہو چکے تھے، مرحمت کر دیا گیا۔ (لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۰۳)

۱۱ ﴿ حضرت شیخ اصیل الدین جڑہ باز عجلہ (رحمہ) :- آپ حضرت غوث العالم کے اصحاب طیر و سیر میں اعلیٰ مقام کے حامل تھے۔ شدید ریاضت و عبادت نے اس مقام پر پہنچایا کہ حضرت نے انھیں شرف خلافت سے مشرف فرمایا اور اپنی عنایت و حمایت سے انھیں اس قدر

گراں قدر کر دیا کہ دوسرے اصحاب کو یہ درجہ میسر نہ تھا۔ (لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۰۳)۔

۱۲۔ حضرت شیخ جمیل الدین سپید باز علیہ (الرہم) :- آپ حضرت غوث العالم کے اصحاب ثلاثہ میں بڑی مقبولیت رکھتے تھے اور سفر و حضر میں حضرت کے ساتھ ہمیشہ رہے۔ حضرت نے آپ کو خلافت سے مشرف کیا اور التفات صوری و معنوی سے مخصوص فرمادیا۔ آپ سے جس قدر حقائق و معارف صادر ہوئے وہ دوسروں سے نہ ہو سکے۔

(لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۰۳)

۱۳۔ حضرت قاضی حجت علیہ (الرہم) :- آپ براہین عقلیہ و نقلیہ سے آراستہ اور دلائل و مقدمات سے پیراستہ تھے۔ آپ کی جب توفیق سلوک بیدار ہوئی تو حضرت غوث العالم کی بڑی سرکار میں سرکوب جھکا دیا۔ آپ کے خلوص عقیدہ اور صفات پسندیدہ کو دیکھ کر حضرت نے آپ کی ذات کو حقائق و معارف کا گنجینہ بنا دیا۔ جب آپ نے خلافت کی شرطیں پوری کر لیں تو لباس خرقہ سے بھی مشرف ہوئے اور روح آباد کے قریب ہی ایک موضع میں انکی سکونت قرار پائی۔ (لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۰۳)۔

۱۴۔ حضرت شیخ عارف مکرانی علیہ (الرہم) :- آپ نے علوم شریعت و طریقت سے پیراستہ ہو کر شرف ارادت حاصل کیا بعدہ آپ نے سخت ریاضت اختیار کی۔ جب مراتب سلوک طے کرنے لگے تو خرقہ و خلافت سے سرفراز کئے گئے۔ حضرت شیخ نے حضرت غوث العالم کے خلفاء میں بڑا نام پیدا کیا۔ اگر ان کے خوارق عادات اور ظہور معاملات کو یکجا جمع کیا جائے تو ایک دوسرا دفتر تیار ہو جائے۔

(لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۰۳، ۴۰۴)

۱۵۔ حضرت شیخ ابوالکارم ہروی علیہ (الرہم) :- آپ امیر زادے تھے اور آپ کے والد

کا شمار امیر تیمور لنگ صاحبقران کے امراء نامدار میں ہوتا تھا۔ جب حضرت غوث العالم، حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند علیہ السلام کی خدمت میں پہونچے تو امیر علی بیگ کے مکان پر قیام فرمایا۔ اسی موقع پر حضرت شیخ ابوالکارم نے حضرت غوث العالم کی زیارت کی اور بے حد متاثر ہوئے۔ یہاں تک کہ بارہ (۱۲) سال سے زائد مشقتیں راہ سلوک میں برداشت کیں۔ حضرت شیخ علوم ظاہری سے بہرہ مند تھے اور ریاضت و مجاہدے نے ان کی شخصیت کو اور چمکادیا تھا۔ اس استعداد کلمہ اور قابلیت تامہ کے بعد حضرت غوث العالم نے انھیں خلافت سے سرفراز فرما کر اپنا مرکز نظر بنالیا تھا۔ صاحب لطائف اشرفی لکھتے ہیں کہ ”انواع مکارم اخلاق و مراحم اشفاق از وی ظہور یافتہ معتقدان بابوالکارم ملقب ساختند“۔ حضرت شیخ کو تبلیغ و اشاعت دین کے لئے سمرقند کا مقام سپرد کیا گیا۔ ان کے مریدین و معتقدین بے شمار تھے اور سلسلہ اشرفیہ کی توسیع میں ان کا نمایاں حصہ تھا۔ (لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۰۴)

۱۶؎ حضرت شیخ صفی الدین ردولوی علیہ السلام:۔ آپ علوم ظاہری کی دولت سے بھرپور اور ادب و فقہ میں مکمل دستگاہ رکھتے تھے۔ صاحب لطائف اشرفی کے لفظوں میں ”صفی کہ بصفائے علوم ظاہری و اصطفاۃ معانی باہری آراستہ در علوم ادبیہ و اصول فقہیہ دستی تمام داشتہ اند“۔ حضرت غوث العالم بھی فرمایا کرتے تھے کہ ”در بلاد ہند کسی را کہ بفنون درختندہ غرایب و شیون عجائب پیراستہ دیدم وی بودہ“۔ حضرت شیخ صفی الدین ردولوی کی ارادت و بیعت کے سلسلے میں یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک رات حضرت شیخ کی خدمت میں ایک پر شکوہ اور باوقار شخص نمودار ہوا۔ حضرت شیخ نے اس کا خیر مقدم کیا اور اس کی تعظیم میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی۔ شخص مذکور نے



اصول فقہ کی ایک کتاب پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے کہا کہ مجھے معلوم ہے آپ نے بے شمار اوراق سیاہ کر دیئے لیکن اب وہ وقت آ گیا ہے کہ سیاہ اوراق کو سفید اور پُر انوار کیجئے۔ اس گفتگو کا حضرت شیخ پر بے حد اثر پڑا اور ان پر ایک محویت طاری ہو گئی۔ حضرت شیخ نے دریافت فرمایا کہ میں اپنے دست ارادت کو کس کے دامن عنایت سے وابستہ کروں جو مجھے راہ سلوک پر لے چلے؟ شخص مذکور نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے جس بندے کو ایسے اقرب کا محرم بنانا چاہتا ہے تو حضرت خضر علیہ السلام کو حکم ملتا ہے کہ وہ اس کی رہنمائی کریں۔ میں تمہیں بشارت دیتا ہوں ایک ایسے مرد کامل کی جس کے انوار ولایت اور آثار ہدایت سے سارا جہاں مسخر ہے۔

اس واقعہ کے چند روز بعد حضرت غوث العالم کا گذر قصبہ ردولی میں ہوا اور حضرت نے وہاں کی جامع مسجد میں قیام فرمایا۔ اس خبر کو پاتے ہی حضرت شیخ صنفی الدین ردولی علیہ السلام، حضرت غوث العالم کی خدمت بابرکت میں پہونچے اور کمال ادب کے ساتھ بیٹھ گئے۔ حضرت نے ان پر ایک نظر التفات کی اور اس بات کو دہرایا جس کی بشارت حضرت شیخ کو مل چکی تھی۔ اس کلام کو سنتے ہی حضرت شیخ نے حضرت غوث العالم کی بیعت و ارادت حاصل کی۔ حضرت نے اپنے دست مبارک سے مصری کی ایک ڈلی ان کو کھلائی اور ان کی اولاد و احفاد کے لئے دعائیں فرمائیں۔ حضرت شیخ کی خاطر سے حضرت غوث العالم نے چالیس (۴۰) دن قصبہ ردولی میں قیام فرمایا اور اسی اثناء میں حضرت شیخ کو لباس خرقہ اور اجازت و خلافت سے نوازا۔ حضرت شیخ نے اپنے فرزند شیخ اسماعیل کو جن کی پیدائش کو چالیس (۴۰) روز ہوئے تھے، حضرت غوث العالم کے قدموں پر لا کر ڈال دیا۔ حضرت نے انھیں دیکھ کر فرمایا کہ ”اوہم مرید ماست“۔ (لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۰۴، ۴۰۵)۔

انھیں شیخ اسماعیل کے فرزند ارجمند حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی علیہ الرحمہ تھے جو آسمان ولایت پر آفتاب بن کر چمکے۔

۱۷۔ حضرت شیخ سماء الدین ردوولی علیہ الرحمہ: علوم صوری و معنوی سے مجبلی اور طریقہ سنن مصطفوی سے پاک و صاف تھے۔ جب حضرت غوث العالم قصبہ ردولی پہونچے تو حضرت شیخ سماء الدین علیہ الرحمہ ان کے ہمراہ تھے۔ حضرت شیخ نے مقام روح آباد (کچھوچھا شریف) میں مسلسل چار سال تک اس قدر ریاضتیں و مشقتیں کیں کہ اسرار سلوک و معرفت کے محرم بن گئے۔ روح آباد ہی میں انھوں نے لباس خرقة اور اجازت و خلافت حاصل کی اور مقام ردولی ان کے لئے متعین کیا گیا۔ حضرت شیخ کو قصبہ ردولی کے ایک فقیر نے پریشان کر رکھا تھا چنانچہ انھوں نے اپنی صورت حال سے حضرت غوث العالم کو مطلع کیا تو وہاں سے جواب عطا ہوا کہ میں نے حق تعالیٰ سے یہ چاہا ہے کہ جو میرے متعلقین کو پریشان کرے گا وہ افتاد و افتاد میں مبتلا ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ چند ہی روز کے بعد فقیر کا بول بالا ختم ہو گیا۔ (لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۰۵، ۴۰۶)

۱۸۔ حضرت شیخ خیر الدین سدھوری علیہ الرحمہ: آپ گونا گوں فضائل و شمائل سے آراستہ تھے، بلند علمی مرتبہ رکھتے تھے اور جامع فروع و اصول تھے۔ حضرت شیخ کی عقیدت و بیعت کا سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ علم اصول و فقہ کے چند مسائل اس قدر مشکل تھے کہ ان کا کوئی حل نہیں نکلتا تھا۔ ہر چند کہ علماء روزگار اور بلغاء نامدار تھے مولا نا علام الدین جاسی علیہ الرحمہ نے ان عقدہ ہائے لاسخل کی جانب رجوع کیا لیکن ان کی ساری کاوش و محنت کوہ کندن و کاہ بر آوردن کے مصداق قرار پائی۔ انھیں دنوں میں حضرت غوث العالم نے خطہ اودھ کو اپنی تشریف آوری سے رونق بخشی اور حضرت شیخ شمس الدین

اودھی علیہ السلام کی خانقاہ میں قیام فرمایا۔ اس موقع کو غنیمت جان کر حضرت شیخ خیر الدین سدھوری علیہ السلام نے اپنے مشکل مسائل علیہ حضرت غوث العالم کے سامنے پیش کئے۔ حضرت نے ماتھے پر شکن ڈالے بغیر ایسے موثر جوابات دیئے کہ حضرت شیخ کی تسکین خاطر ہو گئی۔ دوسرے دن وہ حضرت کے سلسلہ ارادت میں داخل ہو گئے۔ چار سال کی محنت شاقہ اور ریاضت شدیدہ کے بعد حضرت نے انھیں لباس خرقہ اور شرف اجازت و خلافت مرحمت فرمایا اور پھر وہ اس بلند مقام پر پہونچے کہ ایک دفعہ بعض لوگوں نے وضو کے پانی کے کثرت استعمال کے باعث ان پر جب اسراف کا الزام لگایا تو حضرت غوث العالم نے فرمایا کہ ”حالتی کہ فرزند خیر الدین وارد دریں حالت اگر آب دریای کونین و گوہر بخوردارین بروز یزد، اسراف نبود“۔ (لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۰۶)۔

۱۹؎ حضرت قاضی محمد سدھوری علیہ السلام :- حضرت غوث العالم جب قصبہ سدھور پہونچے تو حضرت شیخ خیر الدین سدھوری علیہ السلام کے ہمراہ تمام اکابرین قصبہ نے حضرت کا استقبال کیا اور سب لوگوں نے حضرت کے دست حق پرست پر بیعت حاصل کی، ان میں حضرت قاضی محمد سدھوری علیہ السلام بھی تھے۔ حضرت غوث العالم نے ایک مختصر قیام کے بعد سارے ارادتمندوں کو حضرت شیخ خیر الدین سدھوری علیہ السلام کے زیر نگرانی چھوڑ کر قصبہ جاس کی جانب قصد سفر فرمایا۔ اس سفر میں حضرت نے قاضی محمد سدھوری علیہ السلام کو اپنے ہمراہ رکھا اور انھیں ریاضت و مجاہدہ کی ترغیب دی۔ حضرت قاضی پہلے ہی سے علوم و فنون میں مہارت رکھتے تھے لیکن منزل عرفانیات سے بے خبر تھے۔ جب وہ راہ سلوک کے نشیب و فراز سے لذت آشنا ہو گئے تو حضرت غوث العالم نے انھیں لباس خلافت اور اجازت سلسلہ عطا فرمائی۔ حضرت قاضی نے اپنے صاحبزادے قاضی ابو محمد

سدہوری علیہ السلام کو بھی حضرت غوث العالم کی بیعت و خلافت سے وابستہ کرادیا۔

(لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۰۶، ۴۰۷)

۲۰ حضرت مولانا ابوالمظفر محمد لکھنوی علیہ السلام:۔ آپ اپنے وقت کے عالم شہیر اور پیشوائے بلغاء دیار تھے۔ علاوہ ازیں آپ حضرت غوث العالم کے مخصوص خلیفہ بھی تھے۔ اسی نسبت سے حضرت ان پر زیادہ التفات و عنایت فرماتے تھے۔ حضرت مولانا کی تسکین خاطر کے لئے حضرت غوث العالم نے جامع مسجد لکھنؤ میں چند روز قیام فرمایا۔ حضرت مولانا کو شعر و سخن سے بے حد دلچسپی تھی، انھوں نے ایک مدحیہ قصیدہ حضرت غوث العالم کی خدمت میں پیش کیا جو ان کے ”فصاحت شعار و بلاغت آثار“ ہونے کا نمایاں ثبوت تھا۔ (لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۰۷)

۲۱ حضرت مولانا علام الدین جاسی علیہ السلام:۔ آپ کو صاحب لطائف اشرفی نے ”علامہ روزگار و فقیہ دیار“ کے لفظوں سے یاد کیا ہے۔ حضرت غوث العالم اپنے اصحاب کے قافلے کے ساتھ قصبہ جاس پہنچے تو ان دنوں حضرت مولانا جاسی علیہ السلام ہفت مسئلہ از علوم مشکل شدہ بود“ کی بھول بھلیوں میں بیچ و تاب کھا رہے تھے اور سالہا سال کے غور و فکر کے باوجود ان مسائل کا کوئی تشفی بخش جواب مرتب نہ ہو سکا تھا۔ چنانچہ حضرت غوث العالم نے اپنے معمول کے مطابق اصحاب کے ساتھ رات کی تنہائی میں جب ذکر جہری فرمایا تو ”غوغائی ذکر طالبان و شعب و شور و اکران بگوش ہمہ کس رسیدہ“۔ مولانا جاسی اس وقت اپنے گھر میں موجود تھے۔ انھوں نے ذکر جہری سے خلل محسوس کیا اور بے ساختہ بول اُٹھے کہ یہ مردم غوغائی کہاں سے آئے ہیں؟ دوسرے دن حضرت غوث العالم اپنے اصحاب کے ساتھ مقبرہ شیخ بدالدین علیہ السلام میں موجود تھے کہ



اتفاقاً مولانا جاسی کا بھی گذر ہو گیا۔ انھوں نے ایک صاحب سے پوچھا کہ یہ کون بزرگ ہیں؟ حضرت غوث العالم نے برجستہ فرمایا کہ ہم مردم غوغائی ہیں۔ اس جواب کو سن کر مولانا جاسی بے حد پشیمان ہوئے اور ہزار معذرت چاہی۔ مولانا کے کمال عجز و نیاز پر حضرت غوث العالم نے تبسم فرمایا اور ان کی خواہش کے مطابق انھیں سلسلہ ارادت میں داخل کر لیا۔ علاوہ ازیں ان مسائل علمیہ کو جن سے مولانا پریشان ہو چکے تھے اس انداز سے حل فرمادیا کہ ایک ایک بات مولانا کے دل میں نقش ہو گئی۔ اس واقعہ کے بعد مولانا جاسی کا عقیدہ سگنا بڑھ چکا تھا چنانچہ انھوں نے اپنے فرزندوں کو بھی حضرت غوث العالم کے دستِ حق پر بیعت کرایا اور قصبہ کے سارے اکابر و اصاغر کے لئے سلسلہ اشرفیہ میں شامل ہونے کا اہتمام کیا۔ حضرت نے مولانا جاسی کو خلافت سے بھی مشرف فرمایا تھا۔

(لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۰۷، ۴۰۸، صحائف اشرفی ورق ۱۱۵)

۲۲؎ حضرت شیخ کمال جاسی علیہ (الرحمہ) : آپ جامع ریاضات شدیدہ اور صاحب معاملات چیدہ تھے۔ آپ نے چند سال کلفت سفر اور محنت حضر اختیار کرنے کے بعد لباس خرقہ اور ارادت و اجازت کا استحقاق حاصل کیا۔ حضرت غوث العالم کو حضرت شیخ کمال سے بڑی انسیت تھی چنانچہ جاس سے روح آباد (کچھو چھا شریف) کی طرف مراجعت فرمانے کے وقت نیاز مند ان سلسلہ اشرفیہ کی تربیت و رہنمائی کی ذمہ داری اور منصب نیابت حضرت شیخ کمال ہی کو تفویض کیا گیا۔ ایک عرصے کے بعد یہ واقعہ پیش آیا کہ قصبہ کے چند لوگوں نے حضرت شیخ کمال کو دعوت دی لیکن وقت مقررہ پر وہ کسی وجہ سے کھانے کا بندوبست نہ کر سکے۔ شیخ کمال نے اسے اپنی بے عزتی پر محمول کیا اور غضب و غصہ کے

عالم میں یہ بد عادی کہ وہ لوگ جل جائیں جنہوں نے وعدہ وفا نہیں کیا۔ شیخ کی زبان سے اس بات کے نکلنے ہی سارے قصبے میں آگ لگ گئی اور سب کچھ جل کر خاکستر ہو گیا جن میں چار ہزار آدمیوں کا راکھ ہونا بھی بتایا جاتا ہے۔ شیخ کمال کالال مدہم ہوا تو اس حادثہ جانکاہ پر بے حد خجالت محسوس کی اور غفو و درگزر کے لئے حضرت غوث العالم کی بارگاہ میں روح آباد (کچھو چھا شریف) پہنچے۔ حضرت نے انہیں دیکھ کر فرمایا کہ میرے فرزندوں کو جلاؤ الا اور انہیں برباد کر دیا۔ حضرت ان سے کچھ اس طرح برگشتہ خاطر ہوئے کہ پابوسی کی اجازت بھی انہیں نہیں دی۔ شیخ کمال ایک مدت تک خانقاہ کے پیچھے وحدت آباد میں حضرت کی نگاہوں سے دور پڑے رہے۔ بعد میں حضرت نور العین عجلہ (رحمہ) کی سفارش اور منت و سماجت پر شیخ کمال کی معافی کی درخواست منظور ہوئی لیکن حضرت نے فرمایا کہ ”چوں بطریق درویشاں عذر سخن یریشاں خواستی ایمانت بہ سلامت رود اما بتر گردان واولاد احقاد تو سرگرداں شوند“۔

(لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۰۸)

۲۳؎ حضرت سید عبدالواہاب عجلہ (رحمہ)۔ حضرت غوث العالم کے مخلص خلیفہ اور مخصوص ساتھی تھے۔ انہوں نے اپنی خدمت گزاری کا ایک علیحدہ اور انوکھا معیار قائم رکھا جس کی نظیر دوسری جگہ نہیں ملتی۔ ایک دفعہ حضرت غوث العالم نے ان کو شیخ عبدالکریم دہلوی کے پاس دہلی روانہ کیا۔ جب وہاں سے واپس ہوئے تو پایادہ سفر کی وجہ سے ان کے پیروں پر درم آگیا تھا اور آبلے پڑ گئے تھے۔ حضرت غوث العالم ان کی صورت حال دیکھ کر بہت مغموم و افسردہ ہوئے اور اپنی نعلین مبارک انہیں عطا فرمائی۔ سید صاحب نے حضرت کی نعلین کو اپنے سر کا تاج بنایا اور چالیس روز تک اسی طرح کمال عجز و احترام کا

مظاہرہ کرتے رہے۔ سید صاحب کو اس طرز عمل کا یہ صلہ ملا کہ ”حق تعالیٰ از آں مدت کہ کفش بکفش افتاد بخانہء اور فاپتہ و آسودگی بسیار پیدا کرد۔“

(لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۰۸، ۴۰۹)

﴿۲۴﴾ حضرت شیخ راجا علیہ (الرہم) :- زہد و تقویٰ میں بے مثال تھے اور حضرت غوث العالم کے خلیفہ خاص اور مرید صادق تھے۔ انھوں نے اپنے پیرومرشد کی حد درجہ خدمت و ملازمت کی لیکن سادگی کے حُسن کا بڑا لحاظ رکھا۔ ان کے تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ کسی بے نمازی کے ساتھ خور و نوش نہیں کرتے تھے۔ (لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۰۹)۔

﴿۲۵﴾ حضرت جمشید بیگ علیہ (الرہم) :- خاندان ازبک کے ایک نامور امیر تھے۔ حضرت غوث العالم نے جب یاغستان کو رونق بخشی تو سعادت و ارادت حاصل کرنے کے لئے ترکانِ سادہ کا جم غفیر ہو گیا اور لوگوں کی کثرت آمد و رفت اس حد تک بڑھی کہ امیر تیمور صاحبقران جو اس وقت سمرقند میں موجود تھا، کو بھی حضرت غوث العالم کے رونق افروز ہونے کی اطلاع موصول ہو گئی۔ امیر تیمور نے کہلا بھیجا کہ ”من آں سپد زادہ را دیدہ ام“ اور اسی کے ساتھ خورشید بیگ کو حکم صادر کیا کہ ”بملازمت آں سید زادہ با بعضی از نذورات برود آمد“۔ چنانچہ خورشید بیگ نے معزز لوگوں کی ایک جماعت کے ساتھ امیر تیمور صاحبقران کے حکم کی تعمیل کی لیکن حضرت غوث العالم نے وہ سارے اسباب و اموال و مراکب فقرا پر نثار کر دیئے۔ اسی جماعت کے ایک ممتاز فرد جمشید بیگ بھی تھے جو حضرت غوث العالم ہی کی خدمت میں رہ گئے۔ انھیں توفیق سلوک نصیب ہوئی اور آخر میں خلافت و اجازت سے بھی سرفراز کئے گئے۔

(لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۰۹)۔

۲۶ ﴿حضرت ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی علیہ السلام﴾: آپ کا تفصیلی ذکر ص ۵۰، ۵۱ کے حاشے پر آچکا ہے۔ لیکن یہ بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ حضرت ملک العلماء کو حضرت غوث العالم سے اجازت اور خلافت دونوں حاصل تھی۔ اس ضمن میں صاحب لطائف اشرفی کا واضح بیان ہے کہ ”ریاضات شہیدہ و مشاہدات جدیدہ کشید کہ شرف خلافت و اجازت یافتہ“۔ (لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۱۰)۔

۲۷ ﴿حضرت شیخ حاجی فخر الدین علیہ السلام﴾: علوم ظاہری سے آراستہ اور علم تصوف میں کافی مہارت رکھتے تھے۔ حضرت شیخ نے حضرت غوث العالم ہی کی ہمرکابی میں حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی۔ وہاں کی واپسی پر انہوں نے موضع اوسرہٹہ کو اپنا مسکن بنایا اور اس علاقے کے سارے معتقدان ان کے حوالے کر دیئے گئے۔ ان کے چھوٹے بھائی حضرت شیخ داؤد علیہ السلام نے بھی حضرت غوث العالم سے شرف خلافت حاصل کیا لیکن تربیت باطنی کے لئے انھیں بھی حضرت شیخ حاجی فخر الدین علیہ السلام کے سپرد کر دیا گیا۔ (لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۱۰)

۲۸ ﴿حضرت قاضی رکن الدین علیہ السلام﴾: حضرت غوث العالم نے حضرت قاضی کو شرف خلافت و اجازت مرحمت فرما کر موضع دونیری نزد مقام حاجی پور روانہ کر دیا۔ وہاں انہوں نے ایک خانقاہ کی تعمیر کی اور اطراف کے سارے چھوٹے بڑے ان سے ارادت و ہدایت حاصل کرنے لگے۔ (لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۱۰)۔

۲۹ ﴿حضرت شیخ تاج الدین علیہ السلام﴾:

۳۰ ﴿حضرت شیخ نور الدین علیہ السلام﴾: حضرت غوث العالم بنگال سے روانہ ہو کر دونیری تشریف لائے تو اس موقع پر ان دونوں حضرات نے شرف ارادت حاصل کیا اور



پھر حضرت کی ہر کاپی میں روح آباد (کچھوچھا شریف) بھی آئے۔ یہاں ان دونوں نے کثرت کے ساتھ ریاضتیں کیں حتیٰ کہ واداد عالیہ اور مقامات بلند سے متعارف ہوئے۔ جب سعادت خلافت کے لائق ہوئے تو مقام کو دیوان کے لئے مقرر کیا گیا کہ خدمتِ خلق اور دینِ حق کو خوب فروغ دیں۔ (لطائفِ اشرفی ج ۱ ص ۴۱۰)۔

۳۱ حضرت شیخ الاسلام احمد آبادی علیہ (الرحمہ) (گجرات) :- علوم و فنون کے جامع تھے لیکن انھیں علم ہیئت، علم نجوم اور حکمت میں خصوصیت حاصل تھی۔ حضرت غوث العالم نے گجرات کا قصد سفر فرمایا تو وہاں حضرت شیخ الاسلام نے پہلی ہی ملاقات میں چند علمی مسائل بطور امتحان حضرت سے دریافت کئے۔ حضرت غوث العالم نے ہر سوال کا اطمینان بخش جواب مرحمت فرمایا لیکن شیخ الاسلام نے افہام و تفہیم کے بجائے ”طریق جدال و سبیل مقال“ کو حد سے زیادہ طویل کر کے لوگوں میں انتشار پھیلا دیا۔ رات کے وقت خواب میں ان کی سرزنش ہوئی کہ سید سے مکابرہ مت کرو، آج سے اگر یہ روش اختیار کی تو خسارہ رہے گا۔ آج تو تمہارے اکابرین کی روحانیت درمیان میں آگئی تھی جس نے معاملے کو رفع کر دیا۔ دوسرے دن شیخ الاسلام، حضرت غوث العالم کی خدمت میں بے تابانہ پہونچے اور اپنی غلطیوں کی معذرت چاہی۔ حضرت نے فرمایا کہ ”ازما کا روفاء و از شامہ جفا و انکوں نہ وفانہ جفا بلکہ محل صفا است“۔

اس واقعہ کے بعد سے شیخ الاسلام ہمہ وقت حضرت غوث العالم کی خدمت بابرکت میں حاضر رہا کرتے تھے اور کسی وقت جدا نہ ہوتے تھے۔ انھوں نے دو (۲) سال مسلسل ریاضت و خدمت میں کوئی کوتاہی نہیں کی اور جب استعداد تامہ پیدا ہو گئی تو خلافت و اجازت سے مشرف ہوئے۔ ہر چند کہ اس دیار میں حضرت غوث العالم کے

خلفاء اور اصحاب بیشمار تھے لیکن مریدان ولایت کی تربیت و نگہداشت کے لئے حضرت شیخ الاسلام ہی کو مامور کیا گیا۔ (لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۱۰، ۴۱۱)۔

۳۲؎ حضرت شیخ مبارک گجراتی رحمہ اللہ۔ اکابرین گجرات اور عمائدین دیار میں ایک نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ وہ علوم ظاہری و باطنی سے بہرہ مند تھے۔ ان کے فضائل حمیدہ اور شمائل پسندیدہ کے لئے یہ بات کافی ہے کہ جانی، جسمانی اور مالی خدمات میں ان کا کوئی ہمسر نہ تھا۔ وہ حضرت غوث العالم کی ہمرکابی میں روح آباد (کچھوچھا شریف) پہنچے اور یہاں بے پناہ مجاہدے کئے اور چلے کھینچے حتیٰ کہ ان کو شرف خلافت و اجازت سے نوازا گیا۔ اس کے بعد انھیں گجرات روانہ ہونے کا حکم ملا اور انھیں کے بدست حضرت شیخ الاسلام کے لئے علم و طوغ بھی بھیجا گیا۔ حضرت شیخ مبارک رحمہ اللہ ہی کی سفارش سے حضرت شیخ الاسلام کو حضرت غوث العالم نے ایک مکتوب گرامی بھی تحریر فرمایا تھا اسی مکتوب کے بارے میں صاحب لطائف اشرفی لکھتے ہیں: آں مقدار حقائق و معارف کہ بنسبت شیخ الاسلام در مکتوبات مکرر نوشتہ بسبت دیگر اصحاب نبودہ۔“ (لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۱۱)

۳۳؎ حضرت شیخ حسین رحمہ اللہ۔ دودمان خلجی اور خاندان محمدی کے چشم و چراغ تھے۔ دنیاوی مال و متاع اور جاہ و حشمت کے اعتبار سے اونچا مقام رکھتے تھے۔ لیکن جب توفیق ازلی نے رفاقت کی اور دنیا کے عارضی آب و رنگ سے دل کی وابستگی ختم ہوتی گئی تو منزل سلوک کی تلاش ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے حضرت غوث العالم کے مبارک ہاتھوں پر بیعت کی۔ حضرت شیخ نے شدید ریاضتوں اور مجاہدوں سے اپنی تہذیب کی اور خود ہی اپنے کو منصب خلافت اور خرقہ نیابت کا حقدار بنایا۔ ان منزلوں سے گذر کر انھوں نے

موضع دونہری میں سکونت اختیار کی اور سرحد چنارن (بہار) تک ان کی محبوبیت اور مقبولیت کا غل چنے لگا۔ بادشاہ بنگالہ حضرت شیخ حسین علیہ السلام کا غیر معمولی عقیدہ مند تھا اس نے احباب کی معیشت ورفاہیت کے لئے ایک مخصوص رقم بطور نذر پیش کی تھی۔

(لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۱۱)

۳۳ حضرت شیخ سیف الدین مسند عالی سیف خاں علیہ السلام:۔ اودھ کے ایک رئیس اور بہت بڑے منصب دار تھے لیکن اسی کے ساتھ وہ بہت کشادہ دست بھی تھے اور تمام صوفیائے کرام سے بحد کمال خوش اعتقادی بھی رکھتے تھے۔ حضرت غوث العالم سے انھیں خصوصی وابستگی پیدا ہو گئی تھی مگر ان کو سلسلہ ارادت میں داخل کرنے سے حضرت دامن بچاتے تھے۔ ایک عرصے کے بعد جب سیف خاں نے دولت معنوی حاصل کر لیا اور اپنے مجاہدوں سے جذبات عالیہ کو بیدار کر چکے تو حضرت غوث العالم نے انھیں جامہ تبرک عنایت فرمایا اور بعد میں خلافت سے بھی سرفراز کیا۔

(لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۱۱، ۴۱۲)

ایک مرتبہ مسند عالی سیف خاں نے ایک لاکھ کی جاگیر حضرت غوث العالم کی خدمت میں نذر پیش کی۔ اس طرز عمل پر حضرت متبسم ہوئے اور فرمایا کہ ”کسی راکہ قریہ روزگار و پرگنہ دو اسپرہ باشد و بایں جزوی قریات مقید نشود“۔

(لطائف اشرفی ج ۲ ص ۳۸۲)

۳۵ حضرت شیخ محمود کتوری علیہ السلام:۔ آپ پر حضرت غوث العالم کا التفات ہمیشہ رہتا تھا اور سفر و حضر میں حضرت کی خدمت و ملازمت میں برابر رہا کرتے تھے۔ جب حضرت شیخ کی تعلیم باطنی مکمل ہو گئی تو حضرت غوث العالم نے انھیں خلافت

واجازت مرحمت فرما کر کتور (ضلع بارہ بنگی) روانہ کر دیا تاکہ سلسلہ ارادت کی توسیع ہو اور اللہ کی مخلوق زیادہ سے زیادہ فیض حاصل کر سکے۔ (لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۱۲)۔

۳۶؎ حضرت شیخ سعد اللہ کیسہ دراز علیہ (رحمہ)۔ حضرت غوث العالم نے ایک دعوت کے سلسلے میں قصبہ کتور کو رونق بخشی تو جس خانقاہ میں حضرت قیام پذیر تھے وہاں حضرت شیخ سعد اللہ کیسہ دراز علیہ (رحمہ) نے شرف دیدار حاصل کیا۔ چند روز کے بعد حضرت شیخ نے التماس خرقدہ کیا۔ ان کے اخلاص بے پایاں کو محسوس کرتے ہوئے حضرت غوث العالم نے لطف و کرم کی توجہ انکی جانب مبذول فرمائی۔ (لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۱۲)۔

۳۷؎ حضرت شیخ عبداللہ بناری علیہ (رحمہ)۔ حضرت غوث العالم بلدہ جوپور سے بنارس تشریف لے گئے اور وہاں ایک عرصے تک قیام فرمایا۔ انھیں ایام میں حضرت شیخ عبداللہ بناری علیہ (رحمہ) نے حضرت سے بیعت و خلافت حاصل کی اور جلد ہی حضرت کے خلفاء کبریٰ میں ان کا شمار ہونے لگا۔ حضرت شیخ کا علمی وقار بھی کچھ کم نہ تھا۔ صاحب لطائف اشرفی رقمطراز ہیں: ”دی قدوہ علماء الصدیقی وزبدۃ فصحاء روزگار بود“۔ (لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۱۲)

۳۸؎ حضرت ابوالوفا خوارزمی علیہ (رحمہ)۔ ملاحظہ ہو حاشیہ (۵۲)



اے میرے مولیٰ کے پیارے نور کی آنکھوں کے تارے  
اب کے سید پنگارے تم ہمارے ہم تمہارے  
(حضور محدث اعظم ہند علامہ سید محمد اشرفی جیلانی قدس سرہ)



આપ હમરાત કા ચહીતા INDIA કા  
NO.1 FREE ઇસ્લામિક SMS GROUP

## ASHRAFITODAY

- **इमार्थले रसुल** (રસૂલલ્લાહો અલયહે વસલ્લમ)
- **इमार्थले हमरते मौला अली**  
(રદીઅલ્લાહુ તઆલા અન્હો)
- **इमार्थले हमरते झातेमतुमओहरा**  
(રદીઅલ્લાહુ તઆલા અન્હા)
- **इमार्थले हमरत एमामे हसन**  
(રદીઅલ્લાહુ તઆલા અન્હો)
- **इमार्थले हमरत एमामे हुसैन**  
(રદીઅલ્લાહુ તઆલા અન્હો)

કુર્આન-હદીષ, બુખુર્ગાને-દીન કી  
નરીહતે વ બેશુમાર દીની માલુમાત

અબ આપ કે મોબાઈલ પર પાઈએ

દોસ્તો ! આપ બસ ઇતના કીજીયે

અપને મોબાઈલમેં JOIN ASHRAFITODAY ટાઈપ  
કરે और 92195 92195 પર SMS SEND કરે.

ખુદ બી મેમ્બર બને और दूसरो को भी बनाओ